www.kitabmart.in

اللہِ قَالَ مَنْ رَّاٰی سُلْطَانًا جَائِرًا الخ"
شاید تقریر کے وہی فقرے لکھ کر کوفہ کے ان لوگوں کو بھیجے تھے۔

❀

اِس بحث کا تتمّہ شہید کے بارے میں گفتگو سے متعلق ہے۔
شہادت کی شرائط اور اس کے آثار پر بھی فقہ میں مفصل بحث کی گئی ہے، جس شخص نے اس کی حقیقت اور اس کے مقصد کو سمجھ لیا اور پھر اس پر ثابت قدم رہ کر جان دی وہ قرآن کی اصطلاح میں "شہید" ہے۔ یعنی وہ شخص جس نے حق کا مشاہدہ کیا ہو، اس کا مارا جانا محض کسی کی غلطی، اِشتعال اور جذبات کے بھڑک اُٹھنے کا نتیجہ نہ ہو بلکہ حق اور ہدف کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس نے اپنی جان قربان کی ہو، ایسا شخص کسی لالچ یا شخصی منفعت کی تمنّا میں نہیں بلکہ قربت کے قصد سے جان دیتا ہے، وہ ذاتی تمناؤں اور آرزوؤں سے بالاتر ہوتا ہے، وہ حق کی قدر و قیمت سے بخوبی واقف ہوتا ہے، اسی وجہ سے حق کے لیے اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے۔ یہی فنا کی حقیقت ہے —— فنا یہ نہیں کہ صوفی خانقاہ میں بیٹھا اللہ ہُو کرتا رہے اور سمجھ لے کہ میں واصلِ بحق ہو گیا، واصلِ بحق ہونے کے معنیٰ یہ ہیں ؎

از پائی تا سرت ہمہ نورِ خدا شود
گر در رہِ خدای تو بے پا و سر شوی

شہید اسی کا نام ہے جو حق کے لیے مر مٹے، راہِ حق میں اپنے آپ کو بالکل فراموش کر دے، حق کا مشاہدہ کر کے حق کو قائم کرنے کی خاطر جان دینا گوارا کرے۔

www.kitabmart.in

ہر مقتول شہید نہیں ہے۔ جو شخص کسی غلطی کی بنا پر یا کسی ایسے کام کے لیے مارا جائے جس میں دُنیا داری کا پہلو ہو تو وہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کا مِصداق ہے۔

شہید وہ ہے جو دین کمائے، خُدا کو پہچانے، جس کا آخرت پر اِعتقاد ہو، بقاء پر اعتقاد ہو، ہَدَف اور مقصد کو اچھی طرح سمجھ کر دُنیوی تعلّقات سے منہ موڑ لے۔ چونکہ ایسا شخص حق کا مشاہدہ کرتا ہے اس لیے وہ مرنے سے نہیں ڈرتا، مَوت اس کے لیے آسان ہے۔

بعض صُوفیاء کہتے ہیں کہ "نماز میں قطب کی طرف توجّہ کرنی چاہیے انسان چونکہ مادّی ہے وہ خدائے مُطلق کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اِس لیے خدا کی طرف توجّہ کے لیے کسی مادّی مَظہر کا سہارا لینا چاہیے۔" یہ صُوفیاء کی غلطی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بتدریج مادّی حُدود سے نکل کر ہی مُطلق کی طرف توجہ ممکن ہے۔

البتہ ضِمناً ہم ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ کرتے چلیں کہ ہم نماز میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ. اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے بعد ہمیشہ یہ کہتے ہیں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یعنی "اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر چلا جن کو تو نے اپنی نعمتیں دی ہیں۔" کون سی نعمتیں؟ کیا مال و دولت اور طاقت اور قُدرت؟ ایک دوسری آیت میں ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ

جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

www.kitabmart.in

آگے ان اِنعام یافتہ گروہوں کی تفصیل ہے :

"پہلے اَلنَّبِیِّیْنَ ۔

دُوسرے درجہ میں اَلصِّدِّیْقِیْنَ یعنی جنھوں نے اپنے دل و دماغ سے حق کا مشاہدہ کرکے اس کی جان و مال سے تصدیق کی۔

وَالشُّھَدَآءِ یعنی جو راہِ حق میں شہید ہوئے۔ ان کا درجہ بہت بلند ہے۔

وَالصَّالِحِیْنَ وہ جو پہلے تین گروہوں کے بعد آتے ہیں اور اپنی زندگی میں ان کا اِتّباع کرتے ہیں "

(سورۃ نساء۔ آیت ۶۹)

یہ چار گروہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی تمام نعمتوں سے نوازا ہے، چنانچہ جو لوگ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں وہ بھی ان کے ساتھ اور ان ہی کے ہمقدم ہیں۔

شہداء میں چونکہ ایک باطنی اِنقلاب ظہور پذیر ہوتا ہے، وہ حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور راہِ حق میں مارے جاتے ہیں، اس لیے اللہ نے بھی ضمانت دی ہے کہ وہ ان کے وُجود کو باقی رکھے گا۔ کیا آپ کو اس پر حیرت نہیں کہ کچھ لوگ دُنیا کے ایک گوشے میں جمع ہوئے، دشمنوں نے ان کی آواز بھی باہر نہیں نکلنے دی بلکہ ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، ان کا محاصرہ کرلیا، ان کو قتل کردیا، ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے، ان میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑا کہ دوسرے مقامات پر جاکر لوگوں کو خبر کردے کہ قصہ کیا تھا، اس کے باوجود مخلوقِ خدا نے ان کے نام، ان کے کام اور ان کے

www.kitabmart.in

آثار کو باقی رکھا۔ کیا یہ معجزہ نہیں ہے ؟ کیا یہ حق کا ظہور نہیں کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں ان کی تاریخ اتنی تفصیل سے باقی اور زندہ ہے؟ ان کے والدین کے نام، ان کی بیویوں کے نام، حتّٰی کہ ان کے گھوڑوں کے نام، نیز وہ الفاظ جو انھوں نے میدانِ جنگ میں کہے تھے، سب زندہ و پائندہ ہیں۔

یہ تفصیل کہاں سے آئی اور کیوں کر باقی رہ گئی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فنا کے درجہ سے گزر کر بقا کی منزل کی طرف آگئے تھے۔ ارتقاء اور روحانی سیر کی بنیاد یہی ہے۔ سبزہ بھیڑ کے پیٹ میں جاکر گوشت پوست اور ہڈیوں میں تبدیل ہوجاتا ہے اور بھیڑ کا گوشت آدمی کے پیٹ میں جاکر فکر و ادراک اور طاقت اور ایمان میں بدل جاتا ہے۔ اگر کسی عالی قدر انسان کے پیٹ میں جاتا ہے تو ارادے، طاقت اور ایمان اور ایسی ہی دوسری صلاحیتوں میں بدلتا ہے جو جاوداں ہیں۔ معلوم ہوا قربانی ارتقاء کی ایک منزل ہے ؎

از جمادی مُردم و نامی شدم
پس چہ ترسم کی ز مردن کم شدم

رومی کہتے ہیں: "جمادات کی حیثیت سے فنا ہونے کے بعد ہی مجھ میں نمو کی صلاحیت پیدا ہوئی، پھر میں کیوں ڈروں کہ مر کر فنا ہوجاؤں گا۔"

جو آدمی اپنے آپ کو ایک ارفع حقیقت کے لیے قربان کرتا ہے وہ ضرور باقی رہتا ہے، پس چہ ترسم کی ز مردن کم شدم، بلکہ ؎

بار دیگر تا بمیرم از بشر
پس برآرم با ملائک بال و پر

www.kitabmart.in

"اگر میں ایک دفعہ اور بحیثیت انسان کے مرجاؤں تو پھر ممکن ہے کہ میں عالمِ ملکوت تک پہنچ جاؤں اور فرشتوں کے سے بال و پَر پیدا کرلوں۔"

ان لوگوں نے روزِ عاشورا، بال و پَر پیدا کرلیے تھے، گویا ان کی شخصیت مُستحکم ہوگئی تھی — ایک نے کہا: "ابُوعبدِاللہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں میدان میں جاؤں" — دُوسرے نے کہا: "مجھے اجازت دیجیے کہ میں جان پر کھیل جاؤں وَلَقَدْ ضَاقَ صَدْرِیْ مِنَ الْحَیَاۃِ مجھے اب مزید جینے کی تمنّا نہیں ہے۔" وہ اس طرح کے لوگ تھے، ان کے بھی بیوی بچّے تھے، عزیز رشتہ دار تھے، ان کی بھی اپنی ضروریات تھیں۔

زُہیر بن قَین بَجَلی کو لیجیے! دو دن پہلے تک وہ خُونِ عُثمان کے بدلے کا مُطالبہ کررہے تھے، مُعاویہ اور ان کی حکومت کے پروپیگنڈے سے متاثر تھے، آلِ علیؑ کو کسی اور ہی نگاہ سے دیکھتے تھے، اتفاقاً راستے میں ملاقات ہوگئی، حُسینؑ بن علیؑ کے خیمے میں گئے۔ معلوم نہیں کیا بات ہوئی، معلوم نہیں ان میں حُسینؑ بن علیؑ نے کون سی بجلی کی لہر دوڑا دی کہ سب دنیاوی تعلقات کو جلا کر خاک کردیا۔ تھوڑی دیر پہلے زہیر کے مال مویشی ان کے پاس تھے، جن میں اونٹ، بھیڑ بکریاں اور گائیں تھیں، ان کا قبیلہ تھا، وہ مالدار تھے، اب ان سب چیزوں سے ایک دم دست بردار ہوگئے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ "میں نے دیکھا کہ میری شکل تک بدل گئی۔" آخر ہم لوگ اتنے مُردہ دِل کیوں ہیں۔ یہی نہ کہ ہمارا کوئی ہدف نہیں، چونکہ کوئی ہدف نہیں اس لیے سمجھتے ہیں جو کچھ ہے دولت اور طاقت ہی ہے، چاہے جس طرح بھی ہاتھ آئے، اگر یہ میسّر نہیں تو زندگی تلخ ہے۔ تاجر ہو، صنّاع ہو یا

www.kitabmart.in

حکومت کا کوئی عُہدہ دار، شام کو جب گھر لوٹتا ہے تو اس قدر تھکا تھکا سا اور منہ بنائے ہوئے ہوتا ہے کہ اس کے بیوی بچوں کو بھی اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی کیونکہ اس کو وہ سب کچھ نہیں مل سکا جو وہ چاہتا تھا۔ وہ کیا چاہتا تھا؟ فوجی ہو یا سول ملازم، ہر ایک یہی کہتا ہے کہ آج یا اس سال میرے سب ساتھیوں کی ترقی ہوگئی میری نہیں ہوئی، سب کا درجہ بڑھ گیا، میرا نہیں بڑھا۔ فلاں شخص کی آمدنی کہاں سے کہاں پہنچ گئی میری وہی حالت ہے۔ مالی حالت خراب ہے، یہ سب افسردہ ہیں، الکساٹ چھائی ہُوئی ہے، دِل بُجھے ہوئے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ دنیا کے بندے بنے ہوئے ہیں۔ آئیے شہید بنیں تاکہ دُنیا پر غالب آجائیں۔ مومن کے یہی معنیٰ ہیں۔

یہی زُہیر، جب امام حُسینؑ کے پاس گئے تھے تو افسردہ خاطر تھے، تذبذب میں مُبتلا تھے، وہ نہیں جانتے تھے کہ زندگی کے کیا معنیٰ ہیں اور علیؑ حق پر ہیں یا معاویہ؟ انھیں طرح طرح کے وسوسے ستاتے تھے، وہ تذبذب کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے، حسرتیں، آرزوئیں پیسے ڈالتیں تھیں، مکروہاتِ زمانہ سے دم لینے کی فرصت نہیں تھی لیکن جب وہ واپس آئے، ان میں زندگی کی نئی لہر دوڑ رہی تھی، سب شبہات رفع ہو چکے تھے انھوں نے سب تعلّقات سے مُنہ موڑا اور شہید ہوگئے، وہیں شہید ہوگئے، مقتول ہونے سے پیشتر ہی، اس کو کہتے ہیں شہید۔ ان کے دِل کی کلی کِھل گئی، زندگی آسان ہوگئی۔

اب جب کہ حق بات سمجھ میں آگئی، ان کو اور کسی بات کی پروا نہیں رہی، مارے جائیں تو مارے جائیں، زندہ رہیں تو زندہ رہیں۔ جب وہ

www.kitabmart.in

اپنے خیمے میں واپس پہنچے تو انھوں نے اپنی بیوی سے جن کا نام تاریخ میں بنتِ عَمرو درج ہے، کہا: "اُٹھو! جاؤ اپنا کام کرو، میرا تو کام ختم ہوگیا۔ گائیں، بھیڑ بکریاں اور اُونٹ سب تمھارے ہیں، میرے لیے اب ان میں کوئی کشش نہیں رہی۔"

زُہَیر چلتے رہے۔ اب شبِ عاشُور ہے۔ لو صُبحِ عاشُور ہوگئی۔ عاشُور کی سہ پہر آگئی۔ ان کے بدن سے خُون ٹپک رہا ہے۔ ہونٹوں پر پیاس سے پپڑی جمی ہے۔ حُسینؑ کے پاس آئے۔ اَبُوعَبدِاللہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ان کو دیکھتے ہی آنکھیں بند کرلیں۔ کیا دیکھا ہمیں نہیں معلوم۔ کیا مطلب تھا ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کیا زُہَیر دیوانے تھے؟ کیا ان لوگوں کو دیوانہ کہا جاسکتا ہے؟

زُہَیر نے ابوعبداللہ کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا:

"فَدَتْكَ نَفْسِي هَادِيًا مَّهْدِيًّا."

"میری جان آپ پر قربان! آپ نے مجھے نجات دی۔ آپ نے مجھے آزاد کردیا۔ دُنیا کی خواہشوں سے آزاد کردیا۔ مجھے کوئی افسوس نہیں۔"

ان کے بدن سے خُون بہہ رہا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں مجھے افسوس نہیں — ان کے بچّے یتیم ہُوا چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں افسوس نہیں — ان کی بیوی بیوہ ہُوا چاہتی ہے مگر وہ کہتے ہیں کوئی افسوس نہیں — اِس قدر انھیں اپنے اوپر اختیار ہے۔

پھر کہتے ہیں افسوس کیوں ہو؟

اَلْيَوْمَ أَلْقَى جَدَّكَ نَبِيًّا وَّحَسَنًا وَّالْمُرْتَضَى

www.kitabmart.in

عَلِیًّا"۔

آج میں آپ کے نانا رسُولِ خُدا ؐ سے ملوں گا، حسنؑ
اور علیؑ مُرتضیٰؑ سے ملوں گا۔ اب فاصلے ختم ہو رہے ہیں
یہ میرا بدن خاک و خُون میں مِل رہا ہے۔

یہ تھا اعتقاد حقیقت کی بقاء اور انسانیت کے راز پر۔۔۔ آپ کے نانا کی ملاقات کو جا رہا ہوں، آپ کے بھائی اور والد سے ملاقات کروں گا۔ ابُو عَبدِ اللہ کے سامنے ہی گر پڑتے ہیں، قتل کر دیے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ان کی بیوی کُوفہ چلی گئی تھی مگر منتظر تھی کہ زُہیر کی کیا خبر آتی ہے۔ آخر سناونی آ ہی گئی، سب مارے گئے، حسینؑ قتل ہو گئے، ان کے بچّے قتل ہو گئے، ان کے بھائی قتل ہو گئے، ان کے ساتھی قتل ہو گئے۔ اپنے غلام کے ہاتھ میں کفن دے کر کہتی ہے کہ "جا کر اپنے آقا کا کفن دفن کر"[1] جب غلام آیا تو اسے شرم آئی۔ اس نے کفن دفن کچھ نہیں کیا، شاید واپس چلا گیا۔ جب اس کی مالکہ نے اس سے پوچھا کہ اپنے آقا کو

---

[1] تذکرۂ ابن جوزی میں ہے:

"جب زہیر بن قین امام حسینؑ کی ہمراہی میں شہید ہو گئے، اُن کی زوجہ نے اپنے غلام سے کہا کہ جا کر اپنے آقا کو دفن کر دے۔ غلام آیا تو اس نے دیکھا کہ حُسین علیہ السلام تن برہنہ زمین پر پڑے ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے دل میں کہا: کیا میں اپنے آقا کو دفن کر دوں اور حُسینؑ کو ایسے ہی چھوڑ دوں؟ اس نے پہلے حضرتؑ کو کفن پہنایا، پھر اپنے آقا کو ایک اور کفن پہنایا۔" مگر فقہاء کہتے ہیں کہ شہید کو اس کے خون آلودہ کپڑوں ہی میں دفن کرنا چاہیے، اسے کفن کی ضرورت نہیں۔

www.kitabmart.in

دفن کیا کہ نہیں ؟ کفن پہنایا یا نہیں ؟ شاید اس نے یہ جواب دیا ہو کہ
"کیسے دفن کرتا ؟ میں نے جاکر یہ منظر دیکھا کہ جگر
گوشہ ہائے رسولؐ اور فرزندانِ فاطمہؑ کے جسموں کے
ٹکڑے کربلا کی تپتی ہوئی زمین پر خاک اور خون میں لتھڑے
پڑے ہیں - یہ کیسے ممکن تھا کہ میں ان جسموں کو اس حالت
میں چھوڑ دیتا اور اپنے آقا کا کفن دفن کرتا۔"
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ.

الف تھامس کارلائل (۱۷۹۵ - ۱۸۸۱ء) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب *On Heroes, Hero-Worship, and the Heroic in History* میں یہ بات لکھی ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

Much has been said of Mahomet's propagating his Religion by the sword. It is no doubt far nobler what we have to boast of the Christian Religion, that it propagated itself peaceably in the way of preaching and conviction. Yet withal, if we take this as an argument of the truth or falsehood of a religion, there is a radical mistake in it. The sword indeed: but where will you get your sword! Every new opinion, at its starting, is precisely in a *minority of one*. In one man's head alone, there it dwells as yet. One man alone of the whole world believes it; there is one man against all men. That *he* take a sword, and try to propagate with that, will do little for him. You must first get your sword! On the whole, a thing will propagate itself as it can. We do not find, of the Christian Religion either, that it always disdained the sword, when once it had got one. Charlemagne's conversion of the Saxons was not by preaching. I care little about the sword: I will allow a thing to struggle for itself in this world, with any sword or tongue or implement it has, or can lay hold of. We will let it preach, and pamphleteer, and fight, and to the uttermost bestir itself, and do, beak and claws, whatsoever is in it; very sure that it will, in the long-run, conquer nothing which does not deserve to be conquered. What is better than itself, it cannot put away, but only what is worse. In this great Duel, Nature herself is umpire, and can do no wrong: the thing which is deepest rooted in Nature, what we call *truest*, that thing and not the other will be found growing at last.

ب یروشلم کی اسلامی کانفرنس منعقدہ ۱۹۶۱ء کی طرف اشارہ ہے جس میں جناب طالقانی بطور ایرانی مندوب شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں ان کو بتلایا گیا کہ عرب اسرائیل تنازعے میں یہودی حکومت نے اسرائیل کی حمایت کی تھی

www.kitabmart.in

ڈاکٹر ابراھیم آیتی

امام حسینؑ کے قیام کے محرکات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا. بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ. فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ. اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ. یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ.

(سورۂ آل عمران۔ آیات ۱۶۹ تا ۱۷۱)

میں سب سے پہلے ان محترم سامعین سے معذرت خواہ ہوں جو مُناسب جگہ نہ مل سکنے کی وجہ سے کھڑے ہوئے ہیں یا زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں

www.kitabmart.in

آٹھویں شب کو "وہ اسباب جنھوں نے امام حسینؑ کو قیام پر مجبور کیا" کے عنوان سے کچھ مطالب عرض کیے تھے، آج "امام حسینؑ کے قیام کا محرک" کے عنوان سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ شاید یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ آٹھویں شب کی اور آج کی تقریر کا موضوع دراصل ایک ہی ہے گو اشتہارات میں دو مختلف عنوان دیے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عنوان کی عبارت خود میری تجویز کی ہوئی نہیں ہے بلکہ میں نے تقریر کا موضوع مجمل طور پر بتلا دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جن الفاظ میں مناسب سمجھیں اس کا اعلان کر دیں چنانچہ مکتبِ توحید نے اپنے اشتہار میں تقریر کا عنوان وہ دیا اور انجمن مہندسینِ مدنی نے اپنے اشتہار میں یہ عنوان دے دیا۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ
وَكُلٌّ اِلٰی ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

"تیرا حسن تو وہی ایک ہے، ہم اپنے اپنے الفاظ میں
اس کو بیان کرتے ہیں لیکن ہر شخص کا اشارہ اسی ایک
حسن ہی کی طرف ہے۔"

خدا کرے امتِ مسلمہ اپنے ہر اقدام اور ہر تحریک کے ہر مرحلے میں اسی شعر کا مصداق ہو ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ وَكُلٌّ اِلٰی ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

آٹھویں کی شب میں جو مضمون میں نے بیان کیا تھا مختصراً اس کا دہرانا ضروری ہے۔ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ آج کے وہ سامعین جو اس دن موجود نہیں تھے، اس نکتہ کی طرف توجہ نہ کریں جو میرے خیال میں بہت اہم ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ بعض دانشور حضرات اہلِ علم اور اعلیٰ پایہ

www.kitabmart.in

کے مصنّفین پر حیرت ہے کہ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ

"اگر یہ پُوچھا جائے کہ امام حُسینؑ نے یزید بن مُعاویہ کی بَیعت کیوں نہیں کی اور ایسا تُند و تیز قیام کیوں کیا جس کے نتیجے میں وہ خود اور ان کے اصحاب شہید اور اہلِ بیتؑ اسیر ہو گئے؟

تو اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ امام حسینؑ کو یقین تھا کہ جس طرح سابق میں بنی سفیان کی حکومت نے ان کے والد امام علیؑ اور ان کے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ بدعہدی کی تھی اسی طرح وہ آپ کے ساتھ بھی بدعہدی کریں گے۔ یعنی اگر آپ بیعت کرلیں تب بھی اور اگر آپ بیعت سے انکار کردیں تب بھی وہ آپ کی جان لے کر رہیں گے اس لیے آپ نے با دلِ نخواستہ خود قتل ہو جانے کا فیصلہ کرلیا۔"

(مجھے اس تعبیر پر سخت شرمندگی ہے)۔

اس رات میں نے تفصیل سے عرض کیا تھا کہ اس طرح کی بات بالکل بے اصل، بے بنیاد اور ابو عبدِاللہ علیہ السلام کی مقدّس تحریک کی شان کے قطعاً منافی ہے[1]۔ یہ بات جس نے بھی کہی ہو، بے اصل اور پھسپھسی ہے۔ اگر واقعی یہی بات تھی کہ حُسینؑ کے زندہ رہنے کی کوئی صُورت نہیں تھی اور اگر وہ اطاعت قبول کرلیتے جب بھی اُنھیں زہر دے کر یا اور کسی طرح ہلاک

---

[1] تفصیلات کے لیے ڈاکٹر ابراہیم آیتی کی کتاب تاریخ عاشورا اور ڈاکٹر جعفر شہیدی کی کتاب بنائے کربلا سے رجوع کیجیے

www.kitabmart.in

کردیا جاتا، اس لیے اور کوئی چارۂ کار نہ پاکر انھوں نے قتل ہونا منظور کرلیا تو پھر سیّدالشہداءؑ کے اس عمل کی قدر و قیمت کیا رہ جاتی ہے؟ اور یہ کیوں کر ممکن ہے کہ دُنیا ان کی مقدّس تحریک کو تاریخِ اسلام کی تمام مقدّس تحریکوں کا نقطۂ عُروج اور تمام دینی تحریکوں کا مرکزی نقطہ مان لے خواہ وہ تحریکیں حسینؑ سے پہلے کی ہوں یا بعد کی؟ بات یہ نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، دراصل امام حُسینؑ نے ۶۰ھ اور ۶۱ھ کے اوائل میں اسلامی معاشرے کی حالت کے بارے میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ مسلمانوں میں ایسا سخت بگاڑ پیدا ہوگیا ہے کہ اب صورتِ حال کی اصلاح اور اس خطرناک اجتماعی خرابی کو دور کرنے کی اس طرح کے قیام اور اس طرح کی مقدّس تحریک کے سوا کوئی صورت باقی نہیں ہے۔ امام حسینؑ یہ محسوس کر رہے تھے کہ دین اسلام اور اُمّتِ مسلمہ کا زندہ رہنا ایک خونی قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ وہ اِنَّ اللّٰہَ شَاءَ اَنْ یَّرَاکَ قَتِیْلًا کے مطابق شہید ہوں اور اِنَّ اللّٰہَ شَاءَ اَنْ یَّرَاھُنَّ سَبَایَا کے مطابق ان کے وہ عزیز اور وہ بہنیں جن کو عالم اسلام کا بہترین خطیب کہا جاسکتا ہے، جن میں ایک کا نام زینبؑ ہے، ایک کا نام اُمّ کلثومؑ ہے، ایک کا نام فاطمہؑ بنت الحسینؑ ہے، ایک اور نام علیؑ ابن الحسینؑ کا ہے، یہ سب قیدی بن جائیں اور بازاروں میں پھرائے جائیں جہاں وہ مسلمانوں کو اس وقت کی شرمناک صورتِ حال کی طرف توجّہ دلائیں اور ان کو مرگ و نابودی کے خطرے سے ہمیشہ کے لیے نجات دلائیں۔ اس مقدّس تحریک کو جو حسینؑ بن علیؑ سے پہلے بھی موجود تھیں زندہ رکھیں اور آئندہ کی مقدس تحریکوں کے لیے راہ ہموار کریں۔

www.kitabmart.in

میرا دل چاہتا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ سے پہلے کی تحریکوں کی طرف بھی اگر ممکن ہو تو اشارہ کر دوں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم تحریکِ کربلا کے اسباب و محرکات کا خود سیّد الشہداء کی تقریروں اور تحریروں سے استنباط کریں جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ امام حسینؑ کے قیام کے اسباب آہستہ آہستہ عثمانی خلافت کے اواخر سے پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اِس ضمن میں، میں نے کچھ مستند تاریخی حوالے بھی دیے تھے اور امام حسینؑ کی تقریروں اور تحریروں کے بعض اقتباسات کی تشریح بھی کی تھی جن سے ان اسباب پر روشنی پڑتی ہے جنھوں نے امام حسینؑ کو قیام پر مجبور کیا۔ ترتیب وار مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ ساتویں ذی الحجہ ۶۰ھ ہجری کو حسینؑ بن علیؑ نے حُجّاجِ خانہ کعبہ کے سامنے ایک تقریر کی جس میں کسی حد تک اپنی تحریک کی وضاحت کی۔ میں نے کہا تھا کہ یہ قیام ایسا نہیں تھا کہ اس میں چندہ دے کر یا تقریر کر کے یا کوئی دینی اخبار یا رسالہ لوگوں تک پہنچا کر تعاوُن کیا جا سکے۔ تعاوُن کی ایک ہی صورت تھی، اور وہ تھی شہادت اور جان نثاری۔ میں نے گفتگو غالباً اس پر ختم کی تھی کہ امام حسینؑ نے اپنی تقریر کے آخر میں فرمایا تھا:

"مَنْ كَانَ فِيْنَا بَاذِلاً مُهْجَتَهُ وَمُوَطِّنًا عَلٰى لِقَاءِ اللّٰهِ نَفْسَهُ فَلْيَرْحَلْ مَعَنَا فَاِنِّيْ رَاحِلٌ مُصْبِحًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔"

امامؑ کو تاجروں اور سوداگروں سے مالی امداد نہیں چاہیے انھیں اِنشا پردازوں کی ضرورت نہیں انھیں صِرف ایسے لڑنے والے درکار ہیں جو خُدا کی راہ میں جان قربان کرنے پر خلوصِ دِل سے آمادہ ہوں۔

www.kitabmart.in

اس طرح ہم اس تاریخی سفر کے دوران میں جو ہم نے آٹھویں کی شب میں شروع کیا تھا، مکّہ معظمہ اور ساتویں ذُوالحجہ تک پہنچے تھے، اب میں آپ کی اجازت سے ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوں لیکن ایک قدم پیچھے ہٹنے کا مقصد بقول شخصے دو قدم آگے بڑھنا ہے، اِنْشَاءَاللہ۔ میں مدینہ واپس چلتا ہوں اور وہ فقرہ نقل کرتا ہوں جس میں سیّدالشہداءؑ نے خود اپنے قیام کا مقصد زیادہ صریح اور واضح الفاظ میں بیان کیا تھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ کے والی ولید بن عُتبہ بن ابی سُفیان نے یزید کے حکم سے حُسینؑ بن علیؑ پر بَیعت کے لیے دباؤ ڈالا تھا۔ یہ واقعہ رَجب کی ستائیسویں تاریخ کو رات کے وقت ولید کے گھر پر پیش آیا۔ سیّدالشہداءؑ نے بیعت نہیں کی تھی بلکہ یہ وعدہ کیا تھا کہ اس بارے میں اپنی قطعی رائے کل یا پرسوں بتلائیں گے۔ اگلے دن عبداللہ بن زُبیر تو ڈر کے مارے مدینہ سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن حُسینؑ بن علیؑ ۲۸ رجب ۶۰ھ ہجری کی رات تک مدینہ میں رہے۔ سیّد ابنِ طاؤس اپنی کتاب لُہُوف میں لکھتے ہیں کہ:

> "صُبح ہوئی تو امام حسینؑ اپنے گھر سے یہ معلوم کرنے کے لیے نکلے کہ کہ دیکھیں سیاسی صُورت حال کیا ہے اور مُعاویہ کی مَوت، یزید کی جانشینی اور ولید کے حُسینؑ بن علیؑ سے بیعتِ یزید کا مطالبہ کرنے پر عوام میں کیا ردِّعمل ہوا ہے فَلَقِیَہٗ مَرْوَانُ گلی میں مَروان بن حکم مل گیا۔ اس دن ماہِ رجب کی ۲۷ تاریخ تھی۔ فَقَالَ لَہٗ یَا اَبَا عَبْدِاللہِ اِنِّیْ بِکَ نَاصِحٌ فَاَطِعْنِیْ تُرْشَدْ۔

www.kitabmart.in

ابو عبداللہ! میں آپ کو ایک مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں، اگر آپ میری بات مان لیں گے تو اچھا ہی ہوگا۔ (عجب جسارت آمیز طرزِ گفتگو تھا) فَقَالَ الْحُسَيْنُ وَمَاذَاكَ قُلْ حَتّٰى اَسْمَعَ۔ امام حسینؑ نے کہا: کہو کیا مشورہ ہے میں بھی تو سنوں۔ مروان نے کہا: اٰمُرُكَ بِبَيْعَةِ يَزِيْدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ فَاِنَّهٗ خَيْرٌ لَّكَ فِيْ دِيْنِكَ وَدُنْيَاكَ (اس گستاخ کی جسارت دیکھیے! کہتا ہے کہ) اے حسینؑ ابن علیؑ میں مروان بن حکم تم کو حکم دیتا ہوں کہ یزید بن معاویہ کی بیعت کر لو، اس کی خلافت، امامت اور سربراہی کو تسلیم کر لو اور اس کو اُمت کے سربراہ کی حیثیت سے قبول کر لو فَاِنَّهٗ خَيْرٌ لَّكَ فِيْ دِيْنِكَ وَدُنْيَاكَ کیونکہ میرے یعنی مروان بن حکم کے خیال کے مطابق اس میں تمھارے دین کی بھلائی بھی ہے اور دُنیا کی بھی۔ اگر تم یزید کی بیعت نہیں کروگے تو تمھارا دین بھی برباد ہو جائے گا، جب کہ دُنیا تو خراب ہونا ہی ہے۔

فَقَالَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حسین علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ جملہ استرجاع کسی مصیبت یا آفت کے آنے پر پڑھا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کیا المیہ تھا۔

میرے خیال میں وہ زبردست المیہ جس کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ نے اِنَّا لِلّٰهِ پڑھی، وہ مسلمانوں کا فکری انحراف

www.kitabmart.in

تھا، صحیح ڈگر سے اِس قدر دُور ہٹ گئے تھے کہ مروان کہتا ہے کہ حُسینؑ بن علیؑ کا دین اور ان کی دُنیا جب ہی محفوظ رہ سکتے ہیں جب وہ یزید کی بیعت کرلیں۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا:

"وَعَلَى الْاِسْلَامِ السَّلَامُ"

یہ وہ فقرہ ہے جو ان تمام فقروں سے بڑھ کر امامؑ کے قیام اور ان کی تحریک کے راز کی پردہ کُشائی کرتا ہے جو میں نے آٹھویں کی شب کو نقل کیے تھے۔ میں نے کہا تھا، امام حُسینؑ نے فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں۔" شاید کسی کو خیال ہوا ہو کہ حسینؑ یہ چاہتے ہیں کہ جاکر کُوفہ کے سبزی فروشوں سے کہیں کہ کم مت تولو، وہاں کے تاجروں سے کہیں کہ سُود مت کھاؤ، کوفہ کے واعظوں سے کہیں کہ منبر پر جھُوٹی باتیں مت سُناؤ، میری تیری خوشامد مت کرو، لوگوں کا وقت بے بُنیاد باتوں میں ضائع نہ کرو۔ مگر حُسینؑ بن علیؑ جو کام کرنا چاہتے تھے، وہ یہ نہیں تھا، ان کے سامنے جو مسئلہ تھا وہ اس سے بہت اہم تھا، یہ کام تو شہر کے واعظ بھی انجام دے سکتے تھے۔ جو کام حُسینؑ بن علیؑ کرنا چاہتے تھے وہ تو یہ تھا کہ اُمّتِ مُسلمہ کی افسوسناک حالت کو سدھارا جائے اور ایک تند و تیز قیام کے ذریعے معاشرے کے غیر معمولی بگاڑ کی اصلاح کی جائے۔ اس جُملے سے ایک حد تک امام حُسینؑ کے قیام کے محرکات پر روشنی پڑتی ہے:

وَعَلَى الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذْ قَدْ بُلِيَتِ الْاُمَّةُ
بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيْدَ وَلَقَدْ سَمِعْتُ جَدِّيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ

www.kitabmart.in

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : اَلْخِلَافَةُ مُحَرَّمَةٌ عَلٰى اٰلِ اَبِىْ سُفْيَانَ . آپ نے فرمایا کہ ایسے اسلام کو جس کا رہبر یزید ہو دُور سے ہی ہمارا سلام ہے۔ یعنی نوبت یہ آگئی ہے کہ یزید بن معاویہ جیسا شخص مسلمانوں کا اِمام اور زعیم (سربراہ و قائد) بن گیا ہے حالانکہ میں نے اپنے نانا خاتم الانبیاءؐ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ خلافت آلِ ابی سفیان پر حرام ہے کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ مُسلمانوں کے سربراہ بنیں اور ان پر حکومت کریں۔ وَطَالَ الْحَدِيْثُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ مَرْوَانَ اس پر حضرت امام حُسینؑ اور مروان کے درمیان بات بڑھ گئی۔ حَتّٰى انْصَرَفَ مَرْوَانُ وَهُوَ غَضْبَانُ آخر گرما گرم گُفتگو کے بعد مروان غُصّے سے بھرا ہُوا وہاں سے چلا گیا۔

اِسی طرح کی بات ہمیں ایک اور جگہ پر بھی ملتی ہے، یہ امام حُسینؑ کا ایک خط ہے۔ اہلِ کوفہ نے امامؑ کی خدمت میں اپنے تمام خُطوط تین قِسطوں میں مکہ معظمہ بھیجے تھے۔ یہ نکتہ بھی اِس سلسلے میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ تمام خطوط جو اہلِ کوفہ نے بارگاہِ سیّد الشہداءؑ میں بھیجے تھے اور جن میں آپ کا ساتھ دینے اور آپ کی مقدس تحریک کی حمایت کرنے پر آمادگی ظاہر کی تھی تین قِسطوں میں پہنچے تھے، ان کے علاوہ کوئی متفرق خط نہیں تھا۔ خُطوط کی ایک کھیپ رمضان کی دس تاریخ کو پہنچی — دوسری بارہ کو — اور تیسری کے متعلق مجھے کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب پہنچی

www.kitabmart.in

البتہ یہ تصریح ہے کہ دوسری کھیپ کے دو دن بعد تیسری کھیپ کوفہ سے بھیجی گئی۔ قاعدے کی رُو سے دوسری کھیپ کے دو ہی دن بعد اس کو مکہ پہنچنا چاہیے تھا، اس بات کا ایک اور بھی ثبوت موجود ہے مگر اس کی تفصیل بیان کرنے کا اس وقت موقع نہیں۔ بہرکیف قاعدہ کی رو سے اہلِ کوفہ کے خطوط کی تیسری کھیپ ۱۴ رمضان ۶۰ھ کو پہنچی ہوگی، اس طرح تین دفعہ کرکے اور چھ روز کے اندر اہلِ کوفہ کے تمام خطوط اور عہدنامے اور اقرارنامے پہنچے اور اسی اثناء میں امام حسینؑ نے بھی مسلم بن عقیل کو عراق بھیجنے کا فیصلہ کرلیا۔ مسلم بن عقیل کی روانگی کی تاریخ قطعی طور پر معلوم ہے، یہ تاریخ ۱۵ رمضان تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کوفہ کے خطوط کی آخری کھیپ کے پہنچنے کے ایک دن بعد آپ نے مسلم کو کوفہ بھیجا۔

اب یہ ایک خط ہے جو امام حسین علیہ السلام نے مسلم بن عقیل کو عراق بھیجنے سے پہلے اہلِ کوفہ کے خطوط کے جواب میں سعید بن عبداللہ حنفی اور ہانی بن ہانی سبیعی ہمدانی کے ہاتھ ارسال کیا تھا۔ یاد رہے کہ ان میں سے اوّل الذکر یعنی سعید بن عبداللہ حنفی شہدائے کربلا میں سے ہیں۔ اس خط میں بھی حسینؑ بن علیؑ اپنی تحریک کا راز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَلَعَمْرِیْ مَا الْاِمَامُ اِلَّا الْعَامِلُ بِالْکِتَابِ۔

اپنی جان کی قسم! امام وہی ہوتا ہے جو قرآن کے مطابق عمل کرتا ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ اس قیام اور تحریک کا مقصد عراق کے دستکاروں کو مسائل اور احکام سکھانا نہیں ہے، معاملہ کچھ اور ہے۔ اسلامی حکومت

www.kitabmart.in

اور مُسلمانانِ عالَم کی حالت کچھ ایسی دگرگوں ہو چکی تھی کہ امام حُسینؑ جیسی شخصیت کے قیام کے علاوہ اس کی اصلاح کے لیے کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی تھی، آپ نے لکھا کہ

فَلَعُمْرِیْ مَا الْاِمَامُ اِلَّا الْعَامِلُ بِالْکِتَابِ، اَلْقَائِمُ بِالْقِسْطِ.

چاہے "اِمام" کا لفظ آئے یا "رَاعِی" (لفظی معنیٰ چرواہا) کا لفظ آئے یا "مَوْلَا" کا لفظ استعمال ہو جیسے کہ حدیثِ غدیر میں "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ" آیا ہے یا "سُلْطَان" کہا جائے، دین کی زبان میں ان سب سے مُراد وہ شخص ہوتا ہے جو رسولِ اکرمؐ کے جانشین کی حیثیت سے اُمّتِ مُسلمہ پر حکومت کرے، اس کے فیصلوں کا دار و مدار قرآن پر ہو۔

"اَلْقَائِمُ بِالْقِسْطِ انصاف سے کام لے، اَلدَّائِنُ بِدِیْنِ الْحَقِّ خود دینِ حق کا پابند ہو یا دُوسروں سے دینِ حق کی پابندی کرائے (دونوں معنی صحیح ہیں) اَلْحَابِسُ نَفْسَہٗ عَلٰی ذَاتِ اللّٰہ خُدا کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔"

یعنی اُمّت کی امامت اور پیشوائی کے لائق وہی ہے جس کا مقصد رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہ ہو۔ عَلٰی ذَاتِ اللّٰہِ کے بھی ایسے ہی وسیع معنیٰ ہیں جیسے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ کے۔ ہر وہ کام جو اُمّت کے فائدے اور بھلائی کے لیے ہو، راہِ خدا میں سمجھا جائے گا۔ راہِ خُدا صرف نماز پڑھنے، روزہ رکھنے یا بَیْتُ اللّٰہ کا حج کرنے تک ہی محدود نہیں ہے، اُمّتِ مُسلمہ کی بھلائی اور ترقی کے لیے جو قدم بھی اُٹھایا جائے اور جو اقدام بھی مُسلمانان

www.kitabmart.in

عالم کو اسلامی مقاصد کے نزدیک تر کردے اور ان کو ایسی طاقت بننے میں مدد دے جو پیرانِ قرآن کی شان کے شایان ہو، وہی راہِ خدا ہے اور اسی راستے پر چلنا اپنے آپ کو ذاتِ خدا کے لیے وقف کرنا ہے۔

اَلْحَابِسُ نَفْسَهٗ عَلٰی ذَاتِ اللّٰهِ. وَالسَّلَامُ

محمد بن جریر طبری نے اپنی مشہور کتاب تاریخ الأمم والملوک میں امام حسینؑ کی ایک اور مختصر تقریر نقل کی ہے جو آپ نے منزل "ذی حسم" میں کی تھی۔ اس نام کے تلفّظ میں کچھ اختلاف ہے جو تلفّظ میں نے کیا ہے، شاید وہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں پہنچ کر دشمن کے ہراول دستے نے یہ خطرہ پیدا کر دیا تھا کہ امام حسینؑ عراقی لشکر سے محصور ہو جائیں۔ یہاں امام نے ایک خطبہ دیا تھا جس میں اپنے قیام کا راز بیان کیا:

اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ وَاَنَّ الْبَاطِلَ لَا یُتَنَاهٰی عَنْهُ.

"کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں کیا جا رہا اور باطل سے بچا نہیں جا رہا؟"

اور جب اُمّت کی حالت ایسی ہو جائے تو سیّد الشہداءؑ جیسی ذمّہ دار شخصیت پر قیام واجب ہو جاتا ہے، کیا تم خود نہیں دیکھ رہے ہو؟ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو کہ آپ بیعت کیوں نہیں کر لیتے اور اس اسلامی حکومت کو قبول کر کے فرزندِ معاویہ بن ابی سفیان کو ملّتِ اسلامیہ کا رہبر و قائد کیوں تسلیم نہیں کر لیتے۔ حاصل یہ کہ یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں، ملّتِ اسلامیہ کی موجودہ صورتِ حال کو تم خود کیوں نہیں دیکھتے؟ اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر

www.kitabmart.in

عمل نہیں کیا جا رہا؟ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لوگ جھوٹ بولنے لگے ہیں یا اپنے گھروں میں بہت غیبت کرتے ہیں۔ اس طرح کی معصیتیں تو لوگوں میں ہمیشہ ہی رہی ہیں مگر کیا تم نہیں دیکھتے کہ اسلامی قیادت حق وانصاف کی راہ سے کس قدر دور ہٹ گئی ہے اور اس کا کام ظلم اور ظالموں کی تائید بن گیا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے اجتناب نہیں برتا جا رہا۔

لِيَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِي لِقَاءِ اللّٰهِ.

یہ جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے اور انشائیہ بھی۔ یعنی اس کے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ

"ایسی افسوسناک صورتِ حال میں مؤمن کو چاہیے کہ وہ شوقِ شہادت میں اُٹھ کھڑا ہو اور جان کی قربانی دینے اور خدا سے ملنے کے لیے تیار ہو جائے۔"

یہ وہی بات ہے جو آپ نے مسجد الحرام میں بھی کہی تھی۔ جیسا کہ سیّد ابن طاؤس نے لہوف میں اور علی بن عیسیٰ نے کشف الغمّہ میں نقل کیا ہے۔ وہاں بھی آپ نے شہادت، قربانی اور جاں نثاری کی بات کی تھی یہاں بھی آپ نے فرمایا کہ

فَإِنِّي لَا أَرَى الْمَوْتَ إِلَّا سَعَادَةً وَلَا الْحَيٰوةَ مَعَ الظَّالِمِينَ إِلَّا بَرَمًا.

"ان حالات میں مرجانے کو میں اپنی اقبال مندی سمجھتا ہوں کیونکہ ظالموں کے ساتھ جینا مجھ پر شاق ہے۔"

سامعین! میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ مجھے کہنا ہے مختصر طور پر کہوں اور

www.kitabmart.in

کسی حد تک اس وعدے کا پاس کروں جو اس مجلس کے منتظمین نے آپ سے کیا ہے کہ دس بجے مجلس ختم ہو جائے گی۔ اگرچہ میں یہ بھی عرض کر سکتا ہوں: اِقْرَارُ الْعُقَلَاءِ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ جَائِزٌ. عقلمند اپنے قول کے خود ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ میں نے تو کوئی وعدہ کیا نہیں تھا اس لیے میں کیوں کسی وعدے کی پابندی کروں۔ بہر حال ان کی عزّت کا بھی خیال رکھنا ہے۔

صاحبِ اُسُدُ الغابہ ابنِ اثیر جزری کی ایک کتاب الکامل فی التاریخ ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں اسلامی ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں ابن اثیر الکامل میں کہتا ہے:

> حُر بن یزید ریاحی سے سامنا ہونے کے بعد امام حُسینؑ نے دو خطبے دیے، ایک خطبہ ظہر کی نماز سے پہلے اور دُوسرا عصر کی نماز کے بعد۔ عصر کے بعد امام حُسینؑ نے اُٹھ کر ایک تقریر کی اور حُر بن یزید ریاحی اور ان کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا:
>
> اَمَّا بَعْدُ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّکُمْ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ وَتَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَهْلِهٖ یَکُنْ اَرْضٰی لِلّٰهِ.
>
> لوگو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور اہلِ حق کا حق تسلیم کرو گے تو یہ زیادہ اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔

یہاں بھی حق سے آپ کی مُراد اس قسم کا حق نہیں کہ کسی نے ہمسائے کی دیوار کاٹ دی یا کوئی قطار میں اپنی باری کا انتظار کرنے کے بجائے کسی دُوسرے مُسافر کی باری پر بس میں سوار ہو گیا، یہاں وہ حق مُراد ہے جس پر تمام حُقوق کی بُنیاد ہے، جس حق کو نقصان پہنچنے سے تمام حُقوق کو نقصان پہنچتا

www.kitabmart.in

ہے اور جس کے محفوظ رہنے سے دوسرے تمام حقوق کے محفوظ رہنے کا راستا کھلا رہتا ہے، یہ حق ہے ملّتِ اسلامیہ کی سربراہی اور پیشوائی کا۔

فَاِنَّکُمْ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ وَتَعْرِفُوا الْحَقَّ لِاَھْلِہٖ یَکُنْ اَرْضٰی لِلّٰہِ۔

اِس کے بعد اور بھی وضاحت سے کہا:

وَنَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِوِلَایَۃِ ھٰذَا الْاَمْرِ۔

ہم اہلِ بیتِ رسولؐ اور وارثانِ خاتم الانبیاءؐ سب سے زیادہ اس کے مُستحق ہیں کہ تمھارے حاکم اور تمھارے دین اور دُنیا کے قائد اور سربراہ ہوں۔

مِنْ ھٰؤُلَاءِ الْمُدَّعِیْنَ مَالَیْسَ لَھُمْ۔

ہم ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جو اس منصب کا غلط دعویٰ کرتے ہیں جس کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

وَالسَّائِرِیْنَ فِیْکُمْ بِالْجَوْرِ وَالْعُدْوَانِ۔

اور جو لوگ تم پر ظلم اور زبردستی کر رہے ہیں۔

مطلب یہ کہ یہ لوگ جانشینانِ پیغمبرؐ اور قرآن کو رواج دینے والے تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ وَالسَّائِرِیْنَ فِیْکُمْ بِالْجَوْرِ وَالْعُدْوَانِ۔

ابن جریر طبری نے بھی امام حسینؑ کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جو آپ نے منزلِ بیضہ میں دیا تھا۔ بیضہ حجاز اور عراق کے درمیان ایک منزل ہے اور شاید عراق کی سرزمین کا حصّہ ہے۔ مؤرخ ابن جریر طبری کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے اِس خطبہ کو دوسرے مؤرخین وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ یہاں میں یہ عرض کر دوں کہ

www.kitabmart.in

اس موقع پر سیّد الشہداءؑ نے اپنے مقصد کا مزید اِنکشاف کیا اور بتلایا کہ آپ کی رائے میں صُورت حال کیا تھی اور آپ نے کیوں قیام کیا۔ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ

"میرے نانا اور آپ کے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی کسی ظالِم سُلطان، امام یا رہنما کو دیکھے کہ وہ خُدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتا ہو، خدا سے کیے ہوئے عہد کو توڑتا ہو اور رسول اکرمؐ کی سُنت کی مخالفت کرتا ہو، (اشارہ یزید کی طرف تھا جس کا یہی حال تھا۔ یزید ان ظالم اماموں میں سے تھا جن کے بارے میں آپ قرآن میں پڑھتے ہیں: وَمِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ سب پیشوا اپنی قوم کو بہشت کی طرف نہیں لے جاتے۔ کچھ رہنما تو ایسے ہیں جو اپنی جماعت کو بہشت کی طرف لے جاتے ہیں یعنی دنیا و آخرت میں ان کی ترقی اور خوشحالی کی طرف لیکن قرآن کے فرمان کے بموجب کچھ رہنما ایسے بھی ہیں جو اپنی قوم کو عذاب، آگ اور تباہی کی طرف دھکیلتے ہیں ان کی ایک نمایاں مثال یزید بن مُعاویہ ہے، یہاں اشارہ اسی کی طرف ہے) جو لوگوں پر ظلم کرتا ہو، جُرم و گناہ جس کا شعار ہو اور لوگوں کے حقوق پامال کرتا ہو فَلَمْ يُغَيِّرْ عَلَيْهِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ پس جو مسلمان ایسی صُورتِ حال دیکھے جیسی آج میں (حُسینؑ ابن علیؑ) یزید کی حکومت میں دیکھ رہا ہوں اور پھر بھی وہ مُسلمان اس صورتِ حال کو

www.kitabmart.in

اپنے قول وفعل سے بدلنے کی کوشش نہ کرے اس ظالم سُلطان کے مقابلے میں اٹھ نہ کھڑا ہو، کوئی عملی اِقدام نہ کرے یا کم از کم زبان ہی سے اس کی مخالفت نہ کرے تو پھر خُدا کو اختیار ہے کہ اس مُسلمان کو بھی وہیں لے جائے جہاں اس ظالم حُکمران کو لے جائے گا اور دونوں کے ساتھ یکساں سُلوک کرے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ

"اِس وقت سنہ ۶۰ ہجری میں مِلّت اسلامیہ کو بھی اسی صُورتِ حال کا سامنا ہے۔ اَلَا وَاِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَدْ لَزِمُوْا طَاعَةَ الشَّيْطَانِ دیکھو ان لوگوں نے یعنی یزید اور اس کے گماشتوں نے مستقل طور پر شیطان کی فرمانبرداری اختیار کرلی ہے وَتَرَكُوْا طَاعَةَ الرَّحْمٰنِ اور ان لوگوں نے پروردگار عالم کی فرمانبرداری چھوڑ دی ہے وَاَظْهَرُوا الْفَسَادَ اور کھلم کھلا بدعنوانیاں کر رہے ہیں وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ انھوں نے حدود کو معطل کر دیا ہے۔ (اگر کوئی تاجر یا عام آدمی کوئی جرم کرے تو اس کو اسلامی حُدود کے مطابق سزا دیتے ہیں لیکن جو لوگ ان کے منظورِ نظر اور ان کے مَفاد میں کام کرتے ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک چھوڑ سو جرم بھی کرے تو اس کو ایک کوڑا بھی نہیں لگاتے)۔"

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا، اس اُصول کی ابتدا خلافتِ عثمانی کے نصفِ دوم ہی میں ہوگئی تھی اور اسی وقت سے حُکومت کے خلاف

www.kitabmart.in

احتجاج اور قیام بھی شروع ہوگیا تھا، میں ان احتجاجوں کی ایک فہرست پیش کروں گا۔

وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ۔ حُدود معطّل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی پر حد جاری نہیں کرتے تھے، خود یزید کے زمانے میں بھی لوگوں کے ہاتھ کاٹے جاتے تھے، زنا کاروں پر بھی حد جاری ہوتی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ ڈاکوؤں کی گردن ماردی جاتی تھی یا اور مختلف ایذائیں دے کر انھیں سزا دی جاتی تھی۔ بہرحال یہ طے ہے کہ اس وقت کا پورا نظام شخصی مصلحتوں اور حکمرانوں کے مفاد کی بنیاد پر چلتا تھا نفیاً بھی اور اثباتاً بھی یعنی جس کو چاہتے تھے چھوڑ دیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے سزا دے دیتے تھے۔ سیّد الشہداءؑ کہتے ہیں کہ یہی سب کجرویاں اور بدعنوانیاں میرے قیام کا سبب بنی ہیں، یزیدی حکومت کی ایک بڑی بدعنوانی یہ ہے کہ

"وَاسْتَاْثَرُوْا بِالْفَیْءِ عوام کا مال جو ان کے فائدے کے لیے اور ان کی مشکلات دور کرنے کے لیے خرچ کیا جانا چاہیے تھا وہ اربابِ اقتدار نے اپنے لیے مخصوص کرلیا وَاسْتَاْثَرُوْا بِالْفَیْءِ وَاَحَلُّوْا حَرَامَ اللّٰہِ اور جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے وہ ان لوگوں نے حلال کردیں وَحَرَّمُوْا حَلَالَہٗ اور جن چیزوں کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے وہ ان لوگوں نے حرام کردیں وَاَنَا اَحَقُّ مِنْ غَیْرِہٖ"

وَاَنَا اَحَقُّ مِنْ غَیْرِہٖ کا جملہ کہہ کر امامؑ بتا رہے ہیں کہ :

www.kitabmart.in

"جب یہ صورتِ حال ہے اور رسولِ خداؐ کا حکم اس صورت میں یہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون شخص اس صورتِ حال کو بدلنے کے لیے موزوں ہو سکتا ہے، میں جنابِ فاطمہؑ کا بیٹا ہوں، اہلِ کساء میں سے ہوں، میں ان میں سے ہوں جن کی شان میں آیۂ تطہیر اور آیۂ مُباہلہ نازل ہوئیں، میں امیرُالمومنین علیؑ کا فرزند ہوں تو پھر مجھ سے موزوں اور کون ہے جو اس صورتِ حال کو بدلے جس میں اُمّت کے زوال کے سب عوامل اور اسباب جمع ہو گئے ہیں۔"

حُسینؑ سے بہتر کون ہے جو آئے اور قیام کرے، ابنِ عبّاس کی وہ بات نہیں، محمّد بن حنفیّہ کی بھی وہ بات نہیں، حبیب بن مُظاہر صحابی ہیں لیکن وہ بھی وہ کام نہیں کر سکتے جو حسینؑ کر سکتے ہیں، یہی صورت مُسلم بن عوسجہ اور ہانی بن عُروہ مُرادی کی ہے۔ حُسینؑ کے چچازاد بھائی مُسلم بن عقیل، ان کے اپنے بھائی ابُوالفضل العبّاس ایسے لوگ ہیں جو اس قیام کے مقصد کے لیے جان لڑا سکتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اس مقدّس تحریک کا مرکزی نُقطہ نہیں بن سکتے۔ اس تحریک کا مرکزی نُقطہ تو حُسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب ہی کی شخصیت ہے۔

عاشورا کے دن، اس کے باوجود کہ امام حُسینؑ دیکھ رہے تھے کہ مُخالفین ان کے قتل پر کمربستہ ہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والے ہیں، آپ کو اطمینان تھا کہ جیسا کہ آپ چاہتے تھے ویسا ہی ہو رہا ہے پھر بھی آپ نے ایک خُطبے میں اسی

www.kitabmart.in

مضمون سے گفتگو کا آغاز کیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ امام حسینؑ نے عاشورا کے دن کئی خطبے دیے اور کتنی تقریریں کیں۔ یہ سب خطبے انتہائی فصیح و بلیغ اور مؤثر ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ یہ خطبے ایک ایسے خطیب کے ہیں جو خوب جانتا تھا کہ ان تقریروں کے بعد نہ صرف اس سے باز پرس کی جائے گی بلکہ یہ باز پرس تیس ہزار نیزوں کی مدد سے کی جائے گی۔

یہ خطبے ایک ایسے خطیب کے ہیں جو پیاسا تھا اور اپنے ہونٹوں کو تر کرنے کے لیے جس کو پانی کا ایک قطرہ بھی میسّر نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ تھوڑی دیر بعد اس کے زن و فرزند گستاخ اور سنگدل دشمنوں کے ہاتھوں میں قید ہونے والے ہیں، جس کو قطعاً کھانے کے لیے کافی غذا نہیں مل سکتی تھی لیکن اس نے پیاس کی تو پھر بھی شکایت کی لیکن ازراہِ خودداری بھوک کی قطعاً شکایت نہیں کی۔ گو یہ حقیقت ہے کہ سید الشہداء بھوکے بھی تھے۔ امام سجادؑ کہتے ہیں کہ "رسولِ خداؐ کے نواسے کو اس حال میں قتل کیا گیا کہ آپ تشنہ لب اور بھوکے پیٹ تھے۔"

ایک بھوکا پیاسا خطیب دشمن کے ان تیس ہزار سپاہیوں کے سامنے تقریر کرتا ہے جن کے نیزے اس کو قتل کرنے کے لیے تیار ہیں اور جن کے گھوڑے کچھ دیر بعد اس کے بدن کو پامال کریں گے اس کے باوجود وہ تقریر کرتا ہے اور ٹھوس تقریر کرتا ہے، اس کی تقریر میں فصاحت اور پختگی ہے، وہ اپنی کمزوری اور بے بسی کا اظہار نہیں کرتا۔ جیسے جیسے اُس کے ساتھیوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے، اُس کی تقریر کا زور بڑھتا جاتا ہے وہ اپنی بات زیادہ صفائی اور وضاحت سے کہنے لگتا ہے۔ کیا پوری

www.kitabmart.in

انسانی تاریخ میں کسی نے ایسا خطیب دیکھا ہے جس کی تقریر کا اُسلوب کسی صورتِ حال سے بھی متاثر نہ ہو، جو کسی حال میں پریشان نہ ہو اور جس کی تقریر کی روانی میں کسی طور فرق نہ آئے؟

ایک تقریر میں آپ نے کہا:

تَبًّا لَّكُمْ اَيَّتُهَا الْجَمَاعَةُ وَتَرَحًا.

بدبختو! تم پر خدا کی مار۔ تم مجھے یہاں قتل کرنے اور اپنی رُسوائی کا سامان جمع کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہو؟

حِيْنَ اسْتَصْرَخْتُمُوْنَا وَالِهِيْنَ فَاَصْرَخْنَاكُمْ مُّوْجِفِيْنَ.

کیا تم وہی نہیں ہو جنھوں نے ایک ماہ پیشتر بڑے شوق و ذوق سے ہم سے فریاد کی تھی کہ ہم یزید بن معاویہ کو بحیثیت سربراہ قبول کرنے کو تیار نہیں؟ ہم نے تمھاری فریاد کا ہمدردانہ جواب دیا اور ہم آگئے، اب تم یہ کیا کر رہے ہو؟

سَلَلْتُمْ عَلَيْنَا سَيْفًا لَّنَا فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَحَشَشْتُمْ عَلَيْنَا نَارًا اِقْتَدَحْنَاهَا عَلٰى عَدُوِّنَا وَعَدُوِّكُمْ.

اِس نکتے کی طرف ذرا توجّہ کیجیے، عجیب جُملہ ہے، فرمایا:

معلوم ہے تم حسینؑ بن علیؑ اور اسلام کے بہترین اور مخلص ترین جانباز سپاہیوں کے خلاف کون سی تلواریں

www.kitabmart.in

سونت رہے ہو؟ یہ وہی تلواریں ہیں جو پیغمبرِ اسلامؐ نے
تمھارے ہاتھوں میں دی تھیں۔ جو آگ کہ ہم نے اپنے
اور تمھارے دُشمن کو بھسم کر دینے کے لیے جلائی تھی وہی
آگ اب تم ہمیں جلانے اور تباہ کرنے کے لیے استعمال
کر رہے ہو۔

فَاَصْبَحْتُمْ اِلْبًا لِّاَعْدَائِكُمْ عَلٰى اَوْلِيَائِكُمْ.

امام حُسینؑ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ یزید بن مُعاویہ جو
آج تم مُسلمانوں کا خلیفہ بن گیا ہے، یہ تمھارا دوست نہیں دُشمن ہے۔
تمھارے اندر دوست اور دُشمن میں تمیز کرنے کی صلاحیّت باقی نہیں رہی
اِس لیے تم یہ فرق نہیں کر سکتے کہ کِس کا ساتھ دینا تمھارے لیے سُود مند
ہے اور کِس کا ساتھ دینا نُقصان دِہ۔

تم سب اپنے دُشمنوں کے مَفاد میں اپنے دوستوں
کے خلاف مُتّحد ہو گئے ہو۔

بِغَيْرِ عَدْلٍ اَفْشَوْهُ فِيْكُمْ وَلَا اَمَلٍ اَصْبَحَ
لَكُمْ فِيْهِمْ.

حالانکہ انھوں نے کبھی تمھارے ساتھ انصاف نہیں
کیا اور نہ آئندہ تمھیں ان سے کوئی اُمّید ہے۔

عاشُورے کے دن ایک اور خُطبے میں فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ الدَّعِيَّ بْنَ الدَّعِيِّ قَدْ رَكَزَنِيْ بَيْنَ اثْنَتَيْنِ.

یہ نہ بھُولیے گا کہ عاشورا کے دن جب امام حُسینؑ تقریر کر رہے
تھے، وہ بُری طرح دُشمنوں کے نرغے میں تھے، اُن کے اصحاب کی محدود

www.kitabmart.in

تعداد کے علاوہ کوئی بھی ان کا دوست اور خیر خواہ وہاں موجود نہیں تھا۔ بلکہ اصحاب میں سے بھی اکثر صبح کے سخت حملے اور تیروں کی بوچھاڑ کے نتیجے میں شہید ہو چکے تھے، جو باقی تھے وہ بھی زخموں سے چُور تھے۔ ان حالات میں اس عظیم شخصیت نے اپنے دشمنوں کو مخاطب کر کے کہا:

اَلَا وَاِنَّ الدَّعِیَّ بْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَنِیْ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ.

خُدا کی قسم! اگر حُسینؑ بن علیؑ میں اور کوئی بھی ایسی خُوبی نہ ہوتی جس کی وجہ سے آزاد انسان ان پر فریفتہ ہوں تو اپنی تحریک اور اپنے قیام کے جواز میں ان کا طرزِ اِستدلال ہی اس کے لیے کافی تھا کہ آپ کو ان تمام لوگوں کا سردار تسلیم کر لیا جائے جو قیامت تک حق و انصاف کی طرفداری اور ظُلم کی سرکوبی کے لیے اُٹھتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا:

اَلَا! اِنَّ الدَّعِیَّ بْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَنِیْ بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ.

اے اہلِ کُوفہ! دیکھو میں نے اجتماعی صورتِ حال کا بغور جائزہ لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔ حرام کار باپ کے حرام کار بیٹے عبیداللہ ابن زیاد ابن اَبیہ نے مجھے اس طرح باندھ کر رکھ دیا ہے کہ میرے لیے ان دو میں سے کوئی ایک راستا اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا سوائے اس کے کہ میں ان میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کروں یا تو تلواریں نیام سے نکال

www.kitabmart.in

لی جائیں اور جنگ شروع ہو جائے یا پھر ذلّت وخواری قبول کرلوں۔"

بندہ عرض کرتا ہے کہ یہاں ذلّت وخواری قبول کرنے سے محض یہ مُراد نہیں کہ میں خود اپنے لیے ذِلت قبول کرلوں بلکہ یہ ہے کہ میں اُمّت کے لیے ذلّت، بے بسی اور زبوں حالی کا راستا کھول دوں، وہ اُمّت کہ جسے خُدا و رسولؐ نے عِزّت بخشی اور سربلند کیا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس باعزّت اور بلند مرتبہ اُمّت کو حُسینؑ بن علیؑ اپنی امامت کے زمانے میں ذلیل ہونے کی اجازت دیں۔

"وَهَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ."

"لیکن یہ سمجھ لو کہ میرا فیصلہ قطعی اور اٹل ہے، میں نے جنگ کے راستے کا انتخاب کرلیا ہے کیونکہ ہم ذلیل ہونے والے نہیں۔"

بہ الفاظِ دیگر:

"ملّتِ اسلامی سے ذلّت کوسوں دُور ہے، اِس اُمّت کو خُدا نے مُعزّز پیدا کیا ہے۔"

وَهَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ يَأْبَى اللّٰهُ ذٰلِكَ لَنَا وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ.

یہ بات کہ ہم ذلیل ہوں، نہ اللہ کو پسند ہے، نہ اُس کے رسولؐ کو اور نہ مُومنین کو۔"

وَحُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ.

ہم نے ماؤں کی جن پاکیزہ گودوں میں پرورش پائی

www.kitabmart.in

ہے ان کو یہ منظور نہیں کہ ہم اپنے یا اُمّت کے لیے ذلّت وخواری اور مایوسی اور نا اُمّیدی کا دروازہ کھولیں۔

وَ اُنُوفٌ حَمِیَّۃٌ وَ نُفُوسٌ اَبِیَّۃٌ مِّنْ اَنْ نُؤْثِرَ طَاعَۃَ اللِّئَامِ عَلٰی مَصَارِعِ الْکِرَامِ۔

یہاں طاعتِ لِئَام کا نکتہ بھی عجیب ہے، فرمایا کہ:

یہ بہادر اور جاں نثار جو میرے ہیں، یہ جواں مرد جو میرے ساتھ آئے ہیں اور میرے اِردگرد صف آرا ہیں ان کو بھی اپنی اور اُمّت کی خواری منظور نہیں۔ یہ وہ لوگ نہیں جو ادنیٰ درجے کے کمینے لوگوں کی اِطاعت اور فرماں برداری کو شہادت اور جاں نثاری پر ترجیح دیں۔"

علیؑ بن الحسینؑ یعنی علی اکبرؑ نے جب عاشورے کے دن رجز پڑھا تو اپنے والد کی اس بات کو اپنے رجز کا عنوان قرار دیا ؎

اَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ

نَحْنُ وَ بَیْتُ اللّٰہِ اَوْلٰی بِالنَّبِیِّ

اَطْعَنُکُمْ بِالرُّمْحِ حَتّٰی یَنْثَنِی

اَضْرِبُکُمْ بِالسَّیْفِ اَحْمِی عَنْ اَبِی

ضَرْبَ غُلَامٍ ھَاشِمِیٍّ عَرَبِی

وَاللّٰہِ لَا یَحْکُمُ فِیْنَا ابْنُ الدَّعِی

"میں حسینؑ بن علیؑ کا بیٹا ہوں۔ ہم اور بیتُ اللہ نبیؐ سے قریب تر ہیں۔ میں تمھارے نیزہ گھونپتا رہوں گا

www.kitabmart.in

یہاں تک کہ میرا نیزہ مُڑ جائے۔ میں تمھیں تلوار کی ایسی
ضَرب لگاؤں گا جو میرے والدِ گرامی سے بھی شدید تر
ہوگی، یہ ضرب ایک ہاشمی و عربی نوجوان کی ضَرب ہوگی
بخدا حرامی کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کرسکتا۔"

سیّد الشہداءؑ کے کچھ فرمان، اقوال اور تحریریں میں نے اس رات نقل کی تھیں اور کچھ آج نقل کی ہیں۔ اس مضمون کے آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ عاشورے کے دن اپنے ایک خُطبے میں امام حُسینؑ نے کچھ شعر بھی پڑھے تھے۔ امام حُسینؑ کی تحریک کے اسباب کم و بیش واضح ہو چکے تھے۔ آپ کو اپنی تحریک کے ہر مرحلے میں اپنی کامیابی کا مکمّل یقین تھا۔ آپ مُطمئن تھے کہ آپ کی جدّوجہد نتیجہ خیز ہوگی۔ آپ کی کوشش اور آپ کے ہمراہیوں کی جانبازی رائیگاں نہیں جائے گی۔

اپنے ایک خُطبے میں سیّد الشہداءؑ نے فَرْوَہ ابنِ مُسَیک مُرادی کے اشعار پڑھے تھے۔ فَرْوَہ ابنِ مُسَیک ایک بزرگ صحابی تھے۔ ان کے یہ اشعار عجیب رُوح پرور اور پُرمعنی ہیں۔ امام حُسینؑ نے دشمن کے سامنے یہ اشعار پڑھ کر یہ قطعی طور پر ثابت کردیا کہ کامیابی آپ ہی کا حصّہ ہے اور آپ کی جدّوجہد نتیجہ خیز رہے گی ؎

فَاِنْ نَّهْزِمْ فَهَزَّامُوْنَ قِدْمًا
وَاِنْ نُّغْلَبْ فَغَيْرُ مُغَلَّبِيْنَا

اگر ہم شکست دیں تو یہ ہماری پرانی عادت ہے۔ ہم
ہمیشہ سے اپنے دشمنوں کا سر کچلتے آئے ہیں لیکن اگر
ہم شکست کھا جائیں، قتل ہو جائیں اور بظاہر فتح تمھاری

www.kitabmart.in

ہو جائے، جب بھی ہماری شکست نہیں ہوگی اور ہم مغلوب نہیں ہوں گے، ہم ماریں یا مارے جائیں، ہر حال میں جیت ہماری ہی ہے۔

وَمَا اِنْ طِبُّنَا جُبْنٌ وَّلٰکِنْ
مَنَایَانَا وَدَوْلَۃُ اٰخَرِیْنَا

ہم ڈرپوک اور بزدل نہیں ہیں، ہم دُنیا کے بہادر سردار ہیں۔ اگر ہم مارے جائیں تو اس لیے نہیں مارے جائیں گے کہ ہم ڈرپوک تھے، بلکہ اس لیے مارے جائیں گے کہ ہماری قضا آگئی تھی اور روزِ شہادت آپہنچا تھا۔

اِذَا مَا الْمَوْتُ رَفَّعَ عَنْ اُنَاسٍ
بِکَلَاکِلَۃٍ اَنَاخَ بِاٰخَرِیْنَا

زمانے کا دستور یہی ہے۔ موت کبھی ایک پر حملہ کرتی ہے کبھی دُوسرے پر۔ مطلب یہ کہ آج ہم موت کی لپیٹ میں ہیں کل ہمارے دُشمن ہوں گے۔

فَاَفْنٰی ذٰلِکُمْ سَرَوَاءَ قَوْمِیْ
کَمَا اَفْنَی الْقُرُوْنَ الْاُوَّلِیْنَا

موت نے جس طرح اگلی نسلوں کو اپنی آغوش میں لے لیا اسی طرح آج ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو اپنی آغوش میں لے لے گی۔

اس کے بعد ایک عجیب غیر معمولی شعر ہے ؎

فَلَوْ خَلَدَ الْمُلُوْکُ اِذًا خَلَدْنَا
وَلَوْ بَقِیَ الْکِرَامُ اِذًا بَقِیْنَا

www.kitabmart.in

"اگر شاہانِ عالم ہمیشہ زندہ رہا کرتے تو ہم بھی ہمیشہ زندہ رہتے، کیونکہ ہم مُلک و مَلکوت کے بادشاہ ہیں اور اگر شُرفاء اور مُعزّز ترین اشخاص کو حیات جاودانی مِلا کرتی تو سب سے پہلے ہمیں ملتی۔"

غرض امام حُسینؑ ہر مرحلے میں نتیجے کی طرف سے پوری طرح مُطمئن تھے۔ میں اپنی معروضات کے آخر میں ایک اور نکتے پر توجّہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں:

میں نے جو کچھ بیان کیا ہے یا کِسی اور جگہ پر جو کچھ بیان ہوا ہے شاید اس سے بعض لوگ یہ نتیجہ اَخذ کریں کہ سیّدُالشہداءؑ کا قیام اور ان کی تحریک ہی اسلام میں واحد مقدّس اور مسلّح تحریک ہے اور ابد تک اب اس طرح کی کسی اور جدوجہد کی گُنجائش نہیں۔ بات یُوں نہیں ہے۔ امام حُسینؑ کی تحریک سے پہلے بھی اس طرح کی مثالیں ملتی ہیں اور بعد میں بھی اور آئندہ بھی ملتی رہیں گی۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا، سیّدُالشہداءؑ کی ذاتِ مقدّس اسلامی تحریکوں کا مرکزی نُقطہ ہے۔ امام حُسینؑ کے قیام نے اپنے سے پیشتر کی تحریکوں کی تائید کی اور آئندہ کے لیے ایک مثال قائم کر دی۔

اگر امام حُسینؑ کے قیام کی کوئی یہ تشریح کرے کہ آپ کے قیام نے ملّتِ اسلامیہ کو ہمیشہ کے لیے ہر تحریک اور جدّوجہد سے بَری الذّمہ کر دیا ہے اور اب صرف آپ کی نویں پشت میں امام مہدیؑ ہی کِسی دن آکر ایسی تحریک چلائیں گے، باقی دنیا کے مسلمانوں کو بے فکری ہو گئی اور اب ان کا کوئی فرض نہیں رہا تو یہ محض خیالِ خام ہے۔ اس طرح کی سوچ

www.kitabmart.in

درحقیقت امام حسینؑ کے مقصد اور ان کے ہدف کے بالکل برعکس ہے۔

میں نے آٹھویں کی شب میں کہا تھا کہ عثمانی دورِ خلافت کے نصفِ دوم میں مسلمان اسلامی حکومت کے صحیح راستے سے بہت دور ہٹ گئے تھے، وہیں سے قیام کی ابتدا بھی ہوگئی تھی۔

میں نے اپنی گفتگو کا عنوان رکھا تھا: "وہ اسباب جنھوں نے امام حسینؑ کو قیام پر مجبور کیا" یا "امام حسینؑ کے قیام کے محرکات" اس لیے یہ نامناسب ہوگا اگر میں اس کی وضاحت نہ کروں کہ جس مقصد سے امام حسینؑ نے قیام کیا اور تحریک چلائی اسی مقصد سے ان سے پیشتر اسلامی تاریخ میں کچھ اور بزرگ ہستیاں بھی جدّوجہد کرتی رہی تھیں اور امام حسینؑ کے بعد بھی یہ جدّوجہد جاری رہی۔ اگر لوگ جدّوجہد کے ان واقعات کی قدروقیمت نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھ سکتے تو اس کی وجہ ان کی ناواقفیت یا نادانی ہے۔ عُذرُھُم جَھلُھُم۔

ابوذر غفاریؓ غیرمعمولی شخصیت کے آدمی تھے، انھوں نے جوں ہی محسوس کیا کہ حکومت کا نظام اپنی ڈگر سے ہٹ گیا ہے وہ بڑھاپے کے باوجود اس کی مخالفت میں سرگرم ہوگئے، سخت مخالفت کی، تُند و تیز نکتہ چینی کی، تقریریں کیں، خاتم الانبیاءؐ کی حدیثیں سنائیں، عثمان کی موجودگی میں اور اُن کی پیٹھ پیچھے کوچہ و بازار میں اعتراضات کیے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ تاریخی لحاظ سے اس تمام جدّوجہد اور تحریکوں کے بانی صحابیٔ رسولؐ ابوذرؓ ہی تھے چنانچہ شہر بدر کیے گئے، تکلیفیں اُٹھائیں، آخر وطن سے دور بے کسی کے عالم میں ربذہ کے مقام پر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

ابوذر اور عثمان کے بعد امیرالمومنینؑ شہید ہوگئے اور معاویہ برسرِ کار

www.kitabmart.in

آئے تو لوگوں نے پھر وہ سلسلہ شروع کر دیا۔ ابوذر غفاریؓ نہ رہے تو ان کی جگہ حجر بن عدی کندیؓ نے لے لی۔ ابوذرؓ تو اکیلے تھے۔ حجرؓ کے ساتھ تیرہ اور دوسرے ممتاز مسلمانوں نے معاویہ بن ابی سفیان کی کجروی کے خلاف آواز بلند کی، ان چودہ اشخاص کو زنجیروں میں باندھ کر عراق سے شام لے جایا گیا۔ وہاں دو آدمی تو چھوڑ دیے گئے، باقی بارہ آدمیوں کو مرج العذراء نامی مقام پر لے جایا گیا، وہاں چھ آدمیوں کی گردن مار دی گئی۔ چار آدمیوں کو کسی نہ کسی سفارش پر رہائی ملی۔ دو نے کہا کہ ہمیں معاویہ کے پاس لے چلو تاکہ ہم وہاں جاکر باقاعدہ توبہ کرلیں، ان دونوں کو معاویہ کے پاس لے گئے، وہاں ایک تو معافی مانگ کر چھوٹ گیا مگر دوسرے نے معاویہ کے سامنے معاویہ پر اور بھی سخت نکتہ چینی کی اور اعتراض کرنے شروع کر دیے۔ معاویہ نے کہا: یہ تو سب سے خراب شخص ہے اسے یہاں کیوں لے آئے ہو؟ ساتھ ہی عراق کے گورنر زیاد بن ابیہ کو خط لکھا۔ ان صاحب کا نام عبدالرحمٰن بن حسّان عنزی تھا۔ معاویہ نے ان کو عراق بھجوا دیا اور ابن زیاد کو لکھا: "اُقْتُلْهُ شَرَّ قِتْلَةٍ اس شخص کو بدترین طریقے سے قتل کر دو۔" جب معاویہ کا فرمان ابن زیاد کے پاس پہنچا، اس نے کہا کہ "امیرالمومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے بدترین طریقے سے قتل کر دوں، میرے خیال میں بدترین طریقہ قتل کا یہ ہے کہ تجھے قبر کھود کر اس میں زندہ دفن کر دوں۔" ان بزرگ کا شمار شہدائے اسلام میں ہے، یہ امیرالمومنینؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کا گناہ فقط اتنا تھا کہ یہ اس وقت کی رسوائے زمانہ صورتِ حال پر نکتہ چینی کرتے تھے لہٰذا قبر کھود کر ان کو زندہ درگور کر دیا گیا اور اوپر سے مٹی پاٹ دی گئی۔

www.kitabmart.in

یہ کوئی افسانہ نہیں ہے، کامل ابن اثیر اور دوسری مستند کتابوں میں یہ قصّہ دیکھا جاسکتا ہے۔

جب سیّدُ الشہداءؑ کا زمانہ آیا، آپ نے بھی اسی پچھلے طریقہ پر عمل کرنا شروع کیا۔ آخر میں البتہ آپ کی جدّوجہد نے وہ خاص اچھوتا رُخ اختیار کیا جو آپ کے حالات کے اعتبار سے موزوں اور خود آپ کے شایانِ شان تھا۔ چنانچہ آپ خود اور آپ کے اقربا شہید ہوئے اور کئی لحاظ سے آپ کے قیام نے اسلامی تاریخ کی تمام اگلی پچھلی مقدّس تحریکوں میں مرکزی حیثیت حاصل کرلی۔

یہ بھی عرض کردوں کہ اس منبر سے اس قابلِ صد احترام مجلس میں جب میں قیام، جدّوجہد اور تحریک کی بات کرتا ہوں تو اس سے مُراد ہرطرح کی افراتفری اور بدنظمی پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ صرف وہ مقدّس تحریکیں مُراد ہیں جو اسلام کی تاریخ میں لائق اور محترم شخصیتوں نے صُورتِ حال کے صحیح اور غیرجانبدارانہ مُطالعہ کے بعد مُسلمانوں کی بہتری اور اصلاحِ احوال کے لیے چلائیں۔ امام حُسینؑ نے قیام اور تحریک کا دفتر بند کرکے اس پر مُہر نہیں لگادی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ جس طرح امام حُسینؑ نے یزید کے خلاف قیام کیا اسی طرح امام حُسینؑ کے پوتے زیدؓ بن علی نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف قیام کیا۔ زیدؓ بن علی قتل ہوئے، ان کے جسم کو سُولی پر لٹکایا گیا۔ اگرچہ ان کے حامیوں نے راتوں رات ان کی لاش کو دفن کردیا تھا اور ان کی قبر کو زیرِ آب کردیا تھا، مگر جاسُوسوں نے دُشمن کو اطلاع دے دی چنانچہ اگلے دن ان کی قبر کھود کر لاش نکال لی گئی اور اس کو برہنہ کرکے اس جگہ

www.kitabmart.in

سُولی پر لٹکا دیا گیا جہاں کُوفہ میں شہر کا کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ چار سال تک زیدؓ بن علی کی لاش اسی طرح سُولی پر لٹکتی رہی۔ وہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ زیدؓ بن علی کے جسم کے سُولی پر لٹکتے رہنے میں ہشام بن عبدالملک کا فائدہ ہے اور آلِ محمدؐ کا نقصان، لیکن تاریخ نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ اس سارے قضیے میں صرف حق اور اہلِ حق کا ہی فائدہ تھا۔

زیدؓ بن علی کے بعد ان کے صاحبزادے یحییٰؓ بن زید نے قیام کیا ان کی لاش سات سال تک سُولی پر لٹکتی رہی۔

تاریخِ اسلام کے وہ قیام جو عرصۂ دراز تک اُموی اور عبّاسی خلافتوں کے دوران میں ہوتے رہے اور جن کی ابتداء ابُوذرؓ سے ہوئی، ان کے عَلَم بردار ایک دن حجرؓ بن عدی تھے ـــــ ایک دن حُسینؑ بن علیؑ جو تمام مقدّس تحریکوں کا مرکز بن گئے ـــــ ایک دن زیدؓ بن علی ـــــ ایک دن یحییٰؓ بن زید ـــــ ایک دن حُسین بن علی بن الحسن بن علیؑ بن ابی طالبؑ تھے جو شہدائے فخ کے رہنما تھے ـــــ اسی طرح ایک دن موسیٰ بن جعفرؑ اور ایک دن کچھ دوسرے ـــــ اگر کوئی ان تحریکوں کی اہمیت اور قدر و قیمت کو سمجھنا اور جاننا نہیں چاہتا ہے بلکہ بعض صورتوں میں کچھ شرعی قباحتیں بھی بیان کرتا ہے تو ایسے شخص کے متعلق بڑے افسوس کے ساتھ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مسخرہ ہے۔

زیدؓ بن علی کا فعل اور ان کا قیام شرعی تھا یا نہیں؟ یحییٰؓ بن زید نے جو قیام کیا تھا وہ شریعت کے مطابق تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ زیدؓ بن علی کے قیام کو امام صادقؑ نے درست قرار دیا تھا اور اس کی توثیق کی تھی۔ ان کی شہادت کے بعد امام صادقؑ نے فرمایا

www.kitabmart.in

تھا کہ

"میرے چچا زید بن علی نے بھی وہی راستا اختیار کیا
جو شہدائے بدر نے زمانۂ رسالتمآبؐ میں اختیار کیا تھا،
ہدف سب کا ایک ہی تھا، جو مقصد شہدائے بدر کا تھا
وہی زید بن علی کا تھا۔"

اب نص کے مقابلے میں تو کوئی اجتہاد صحیح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی ملّت کے لیے سرفروشی اور قیام کی سخت ضرورت کے بارے میں بے خبری درست ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ عُذْرُهُمْ جَهْلُهُمْ۔ (بے چارے ناواقفیت کی وجہ سے معذور ہیں)۔

بندہ نے اسلامی تاریخ کا تھوڑا بہت مُطالعہ کیا ہے باقی اقوام کی تاریخ کا اچھی طرح مُطالعہ نہیں کیا اس لیے میں وُثوق سے تو نہیں کہہ سکتا ہاں اجمالی طور پر اس میں شبہ نہیں کہ نہ صرف مُسلمانانِ عالم بلکہ عیسائی، یہودی اور جو بھی قوم دُنیا میں زندہ موجود ہے وہ اپنی جدّوجہد اور مقدس تحریکوں ہی کے طفیل زندہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں ایک خاص صورت پیش آئی ہے۔

بیجا نہ ہوگا اگر اس موقع پر ایک اور نکتہ بھی عرض کر دوں، گو میری آج کی تقریر سے اس کا براہِ راست تو تعلّق نہیں ہے پھر بھی اس کو نظر انداز کرنا غلط ہوگا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ:

آخر یہ کیا بات ہے کہ امام حُسینؑ کی شہادت کے سانحہ نے اسلامی تاریخ کے تمام حادثات، تمام تحریکوں اور مُسلّح جدّوجہد کے تمام واقعات میں مرکزیت حاصل کر لی ہے؟ کسی اور قیام، تحریک اور اجتماعی شہادت

www.kitabmart.in

کے واقعہ نے وہ شہرت اور اہمیّت حاصل نہیں کی جو واقعۂ کربلا نے کی۔ یہ سانحہ اسلامی تاریخ کے تمام المیوں سے بازی لے گیا۔

غزوۂ اُحد میں اسّی افراد سے زیادہ، جہاں تک میں نے گنا ہے، شہید ہوئے۔ یہ بڑا دردناک سانحہ تھا۔ شہدائے اُحد کے جسموں کا مُثلہ کیا گیا۔ شہیدوں کے ناک، کان اور ہونٹ کاٹ لیے گئے اور ان کے جسم اس طرح مسخ کر دیے گئے کہ بہنیں اپنے بھائیوں کی لاشیں دیکھ کر انھیں پہچان نہیں سکتی تھیں لیکن اس کے باوجود اُحد کے سانحہ کی بھی وہ حیثیت نہیں جو کربلا کے حادثۂ فاجعہ کی ہے۔

ایک اور بڑا سانحہ یہ تھا کہ منصور دَوانیقی کے حکم سے حَسَنی سادات میں سے سولہ افراد کُوفہ کے ہاشمی قید خانے میں بند کر دیے گئے، وہ وہیں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے لیکن منصور نے اس کی اجازت نہیں دی کہ ان میں سے کسی کی لاش باہر لائی جاتے، یہاں تک کہ ایک ایک کر کے وہ سب مر گئے۔ ان میں سے جو مرتے جاتے تھے ان کی لاشیں زندہ بچنے والوں کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھیں۔ جب یہ سب دُنیا سے کوچ کر گئے تو منصور نے حکم دیا کہ "قید خانے کی چھت ان سولہ شُہدا، اور فرزندانِ رسولِ خداؐ پر گرا دی جائے۔" ان کو نہ غُسل دیا گیا اور نہ کفن، نہ کسی کو سپردِ خاک ہی کیا گیا۔ اس فاجعہ کی حیثیت بھی سانحۂ کربلا کی سی نہیں:

لَا یَوْمٌ کَیَوْمِکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہ!

اے ابُو عبداللہ! آپ کے واقعہ کی تو کوئی نظیر ہی نہیں۔

بالکل صحیح اور مستند بات ہے قطعاً یہی صُورت ہے، لیکن یہ صُورت کیوں ہے؟ اِس کے جواب میں، گو میری تقریر کا وقت ختم ہو گیا ہے، اتنا

www.kitabmart.in

ضرور عرض کروں گا کہ یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ سیّدالشہداءؑ کی تحریک اور ان کے قیام کی برتری کا ایک نہایت اہم سبب وہ واقعات ہیں جو امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کی شہادت کے فوراً بعد پیش آئے۔ اِس قیام کو ایک طرف تو اسیرانِ اہلِ بیت کی بدولت شہرت ملی اور دوسری طرف خود قاتلانِ حسینؑ نے اس کو شہرت دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ امامؑ کی شہادت کے بعد اور معرکے کے ختم ہوجانے پر دشمنوں نے کمینگی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، شہداء کے جسم کے ٹکڑے کر دیے، ان کے کپڑے لُوٹ لیے، خیموں کو لُوٹا اور آگ لگائی، شہیدوں کے بدن گھوڑوں کے سُموں تلے روندے، ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا، غم نصیب قیدیوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا، ان کے خُشک ہونٹوں پر لکڑیاں ماریں۔ یہ بے ہُودگیاں کربلا سے شروع ہوئیں اور شام تک جاری رہیں۔ یزید نے ذاتی طور پر ان بیہودگیوں میں حصّہ لیا لیکن اسیرانِ اہلِ بیت جہاں بھی گئے انھوں نے ایسے وقار اور متانت کے ساتھ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا، اپنی کامیابی اور دشمن کی رُسوائی کا تذکرہ کیا۔ ایسے وقت میں جب کہ سب لوگ انھیں شکست خوردہ اور دُشمن کو کامیاب تصوّر کر رہے تھے، انھوں نے یہ جتلا دیا کہ دراصل کامیاب و کامران تو وہ ہوئے ہیں اور مغرور دُشمن کے حصّے میں تو صرف رُسوائی آئی ہے۔

امام زینُ العابدینؑ نے شہر کُوفہ کے مضافات میں — اور زینبؑ اُمّ کلثومؑ اور فاطمہ بنت الحسینؑ نے کُوفہ کے بازاروں میں تقریریں کیں اور عام لوگوں کی توقع اور اندازے کے برعکس بنی اُمیّہ کی حکومت کے زوال کا اعلان کیا۔

www.kitabmart.in

زینبِ کبریٰؑ نے ایک اور موقع پر یزید کے دربار میں تقریر کی، اور واضح الفاظ میں تین بار اُس کی تکفیر کی ـــ امام زین العابدینؑ نے دمشق میں خطبہ دیا جس میں اچھی طرح اپنا تعارف کرایا اور یزید کے لیے مشکلات پیدا کر دیں ـــ جب امام عابدؑ ایک قیدی کی حیثیت سے دمشق کے بازار میں تھے، ابراہیم بن طلحہ بن عُبیداللہ نے ان کے پاس آکر چڑانے کے لیے کہا: علیؑ بن الحسینؑ کہو جیت کس کی ہوئی؟ امام عابدؑ نے اس کے جواب میں کہا: جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان دینا اور اقامت کہنا، اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ جیت کس کی ہوئی۔ یعنی گو تیرا تعلق خاندانِ تیم سے ہے اور تو بنی ہاشم کا دشمن ہے پھر بھی جب تک تو اسلام کو چھوڑ ہی نہ دے، اذان اور اقامت میں یہی کہے گا کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فرزندانِ محمدؐ ہم ہیں نہ کوئی اور۔ جب تک اسلام کا نام قائم ہے ہم آلِ محمدؐ کی عزت بھی برقرار رہے گی اس میں فرق نہیں آسکتا۔

مجھے تو یقین ہے کہ اگر ابنِ سعد اور ابنِ زیاد، خواہ خود غرضی ہی سے سہی، امام حسینؑ اور آپ کی شہادت کے بعد اہلِ بیت کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتے، شہداء کی تدفین میں مانع نہ ہوتے، اہلِ بیت کو کربلا ہی سے براہِ راست مدینہ بھجوا دیتے اور دربارِ خلافت کی بیہودگیوں اور اہلِ بیت کے اپنے حق میں مؤثر پروپیگنڈے کے واقعات پیش نہ آتے تو امام حسینؑ اور ان کے بزرگ رُفقاء کی شہادت کی یہ تصویر جو دُنیا میں اُبھری وہ نہ اُبھرتی اور ان کے دُشمن اس طرح ذلیل و رُسوا نہ ہوتے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

www.kitabmart.in

اُستاذ مرتضیٰ مطہّری

خُطبہ اور منبر

(۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ.
عَلَّمَہُ الْبَیَانَ.

آج کی گفتگو کا موضوع ہے "خطبہ اور منبر"۔ چونکہ خطبہ کے معنی بھی تقریر ہیں، اس لیے اس تقریر کا موضوع تقریر ہے یعنی یہ آپ اپنا موضوع ہے۔ تقریر کرنے کو علمی زبان میں خطابت کہتے ہیں۔ منطقیوں نے کلام کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں جن کو "صناعاتِ خمسہ" یعنی پانچ ہنر کہا جاتا ہے، ان ہی میں سے ایک "خطابت" ہے۔ یہ تقسیم ارسطو کی قائم کی ہوئی ہے۔

اس وقت موقع نہیں کہ خطابت کی تاریخ بیان کی جائے یا خطابت

www.kitabmart.in

کی فنّی اَقسام کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس پر گفتگو کی جائے۔ بعض منطقیوں نے خاص طور پر اِس کی خوب تفصیل بیان کی ہے۔ اگر ہم صِرف اس تفصیل کو پیشِ نظر رکھیں جو بُوعلی سینا کی کتاب شِفا میں بیان کی گئی ہے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، مگر اِن باتوں پر بحث مقصود نہیں کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ صرف نظری پہلو سے گفتگو نہ کی جائے۔

چُونکہ ہماری گفتگو کا موضوع ہے خُطبہ اور منبر اور منبر سے مراد ہے "دینی موضوعات پر تقریر" ـــــ اِس لیے ہماری آج کی گفتگو "دینی خِطابت" کے بارے میں ہے، خِطابت اور کلام کی دُوسری اقسام سے غرض نہیں۔ آج میں اسلام سے خِطابت کے تعلق پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں!

خِطابت کا اسلام سے تعلق کئی پہلو سے ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خِطابت ایک فن اور ایک ہُنر ہے اور کسی بھی فن یا صنعت کو کسی نظریے یا عقیدے کی تقویت کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسے کمزور کرنے کے لیے بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ فن اور صنعت میں کیا فرق ہے۔

اگر آپ اصفہان میں مسجدِ شاہ جائیں اور گُنبدِ شیخ لُطف اللہ کو دیکھیں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ کس طرح علم و ہُنر اور صنعت نے دین کی اعانت کی ہے یعنی مذہبی احساسات اور ذوقِ ہُنر نے کس طرح ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے اور ایک مذہبی شعار نے کس طرح ہُنر اور صنعت کا رُوپ دھارا ہے۔

خطّاطی بھی ایک ہُنر ہے۔ نفیس قرآنی کتبے، مثلاً وہ کتبہ جو مقصُورۂ مشہد کے ایوان میں بایسنقر نے لکھا ہے، یہ ظاہر کرتے ہیں کہ

www.kitabmart.in

ہُنر اور صنعت کس طرح مذہبی احساسات کی تقویت کا باعث بن سکتے ہیں۔

خطابت بھی چونکہ ایک ہُنر اور فن ہے اور ہنر اور فن مُعاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کا شمار مُعاشرتی عوامل میں ہوتا ہے اس لیے خطابت بھی معاشرتی عوامل میں سے ایک ہے بلکہ اس کا جتنا اثر معاشرے پر ہوتا ہے کسی اور فن کا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے اگر آپ فن خطابت پر نظر ڈالیں گے تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ اس فن کا تعلّق بھی اسلام سے ایسا ہی ہے جیسا اور بہت سے فنون کا۔

جس طرح اسلام میں سنگ تراش پیدا ہوئے اور سنگ تراشی نے ترقی کی، آئینہ بند پیدا ہوئے اور آئینہ بندی نے ترقی کی، گُل کار پیدا ہوئے اور پچی کاری اور گل کاری نے ترقی کی، اسی طرح اسلام نے اپنے دامانِ عاطفت میں بڑے بڑے خطیبوں کی پرورش بھی کی ہے۔ بہت سے تو خطیب ہی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

آپ دیکھیں گے کہ اسمائے رِجال اور تراجم کی کتابوں میں متعدد ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے خطیب کے نام سے شہرت پائی ہے۔ ایک صاحب خطیب رازی تھے۔ دوسرے خطیب مصری۔ ایک خطیب دمشقی کہلاتے تھے۔ ایک خطیب تبریزی۔ ایک خطیب حصفکی۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کی ان کے اور مابعد کے زمانے میں بحیثیت خطیب کے شہرت ہوئی۔ خوش قسمتی سے آج بھی ہمارے یہاں بڑے بڑے مذہبی خطیب موجود ہیں۔ مرحوم سیّد جمالُ الدین افغانی علاوہ اور خوبیوں کے ایک زبردست خطیب بھی تھے۔ انھوں نے مصر میں اپنے خُطبوں کے ذریعے سے ایک انقلاب برپا کر دیا۔ وہ لوگوں کو رُلاتے تھے، ان کی اپنی حالت پر کسی اور

www.kitabmart.in

چیز پر نہیں۔ اسلام نے اپنے دامن میں بڑے خطیبوں کی پرورش کی ہے اس کی بھی اپنی تاریخ ہے۔ میں صرف اس قدر اشارہ کرنا چاہتا تھا، یہاں تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔

بہرحال اس نقطۂ نگاہ سے خطابت کا بھی اسلام سے وہی تعلق ہے جو دُوسرے فنُون کا۔ اسلام نے مختلف اقسام کے ہُنرمند اور صنّاع پیدا کیے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک طبقہ خطیبوں اور شاعروں کا بھی ہے۔

خطابت کی پیش رفت اور ترقی پر اسلام نے براہِ راست جو اثر ڈالا ہے وہ خطابت اور اسلام کے تعلق کا ایک دوسرا رُخ ہے۔ اسلام نے نہ صرف فنِ خطابت کو متاثر کیا بلکہ اسے ایک بلند مقام بھی عطا کیا۔

جن فنُون کا تعلق زبان سے ہے یعنی شعرگوئی، تحریر اور تقریر ان میں سے عربوں کو شعرگوئی میں کافی کمال حاصل تھا۔ عرب فطری طور پر شاعر ہیں۔ قبل از اسلام بھی ان میں مُمتاز شعراء موجود تھے، گو وہ اپنی محدود معلومات کی وجہ سے محدود خیالات ہی کا اظہار اپنے اشعار میں کر سکتے تھے۔ پھر بھی جن افکار تک ان کی رسائی تھی ان کی حُدود میں رہتے ہوئے وہ بہت عُمدہ شعر کہتے تھے لیکن خطابت کے میدان میں عربوں کو وہ کمال حاصل نہیں تھا۔ باوجود اس کے کہ زمانۂ جاہلیت کے اشعار کا کافی ذخیرہ ہمارے پاس موجُود ہے، خطابت کے بہت کم نمونے ملتے ہیں، پھر بھی کچھ نمونے موجود ہیں۔ تیسرے فن یعنی تحریر کا کوئی نمونہ موجود نہیں، زمانۂ جاہلیت کی کوئی تصنیف ہمارے پاس نہیں جو اس زمانے کے طرزِ تحریر کی یادگار ہو۔

اسلام نے آکر تینوں فنُون کو متاثر کیا۔ شعر کے معانی میں وُسعت

www.kitabmart.in

پیدا ہوگئی۔ اگر زمانۂ اسلام کے اشعار کا موازنہ زمانۂ جاہلیت کے اشعار سے کیا جائے تو خیالات میں وُسعت کے لحاظ سے نمایاں فرق محسوس ہوگا۔ خِطابت میں اسلام نے انقلابِ عظیم پیدا کردیا۔ اسلام ہی کی بدولت تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا۔

ایک کتاب ہے جس کا نام جمہرۃ خُطب العرب ہے، اس مجموعہ میں زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں اَدوار کے وہ خطبے شامل ہیں جو عربوں نے دیے۔ اگر آپ ان خطبوں پر نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ خیالات کے لحاظ سے بہت سادہ اور سطحی ہیں لیکن جب آپ اسلامی دَور کے خطبے دیکھیں گے تو آپ کو ایک اِنقلاب محسوس ہوگا۔

زمانۂ جاہلیت کے خُطبوں میں سے کچھ فقرے اَکثم بن صَیفی اور مشہور عرب خطیب قُس بن سَاعِدَہ اَیادی کے نقل ہوتے ہیں لیکن آپ دیکھیں گے کہ یہ بہت سادہ اور سطحی ہیں۔ جیسے ہی آپ اسلامی دَور میں داخل ہوں گے اور آپ کی نظر رسولِ اکرمؐ کے خُطبوں پر پڑے گی تو آپ کو ایک اور ہی انداز نظر آئے گا، ان میں خیالات مختلف ہیں، معارف کا بیان ہے، رُوحانیت ہے، اِجتماعی اور اَخلاقی مسائل ہیں، عقل ودانش ہے۔ جب کہ زمانۂ جاہلیت کے خُطبوں میں ان سب باتوں کا وجود نہیں تھا۔ اسلام نے زبان سے متعلق تینوں فنُون کو متاثر کیا ہے۔ قرآن مجید خود اِعجازِ بیان اور فَصاحتِ لِسان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے اور بیان کو اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نِعمت قرار دیتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ.
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ.

www.kitabmart.in

پیغمبرِ اسلامؐ پر سب سے پہلے جو آیات نازل ہوئیں، ان میں قلم اور تحریر کا ذکر ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ.

اِس تعلیم کے نتیجہ میں نہ صرف فنِ خطابت میں انقلاب آیا بلکہ فنِ کتابت کو بھی رواج حاصل ہوا۔ یہ بات بلا سبب نہیں تھی کہ مُسلمانوں نے زبان سے متعلق عُلوم اور علمِ فصاحت و بلاغت کے قواعد ایجاد کیے۔

اِس کے علاوہ خُود رسولِ اکرمؐ اور امیرُ المومنینؑ اوّلین خطیب مانے جاتے ہیں۔ اس وقت موقع نہیں کہ میں ان حضرات کی تقریروں کے کچھ اقتباسات سُناؤں اور ان کا موازنہ جاہل عربوں کی تقریروں کے فقروں سے کروں۔

جس نکتہ کے متعلق میں آج گفتگو کرنا چاہتا ہوں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور خِطابت کے درمیان ایک بہت مضبوط رشتہ ہے اور وہ رشتہ یہ ہے کہ ایک خاص موقع پر خِطابت کو دین کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ اگر آپ سے سوال کیا جائے تو کیا آپ بتلا سکتے ہیں کہ وہ کون سا موقع ہے؟

جی ہاں ایک موقع ایسا ہے کہ خطابت بھی اسی طرح فرائض میں داخل ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکات، خمس وغیرہ، وہ موقع نمازِ جمعہ کا ہے۔

اسلام میں ایک ہفتہ وار نماز ہے جس کا نام نمازِ جمعہ ہے۔ خود

www.kitabmart.in

قرآن مجید کی سورۂ جمعہ میں اس نماز کا خصوصی تذکرہ ہے :

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ. ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.

شیعہ اور سُنّی تمام مُفسّرین کا اتفاق ہے کہ یہاں ذِکر سے مُراد نمازِ جمعہ ہے۔

نمازِ جمعہ کیا ہے؟ وہ ظہر کی نماز جو جمعہ کے دن پڑھی جاتی ہے، لیکن یہ نماز اور نمازوں سے مختلف ہے۔ پہلے تو یہ کہ ہر روز نماز ظہر کی چار رکعتیں ہوتی ہیں لیکن نمازِ جمعہ کی صرف دو۔ رہی اس کی وجہ کہ نمازِ جمعہ صرف دو رکعت کیوں ہے، یہ بعد میں عرض کروں گا، بہرحال نمازِ جمعہ دو رکعت ہے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ اس نماز کو جماعت سے پڑھنا واجب ہے، باقی نمازوں یعنی نمازِ فجر، نمازِ ظہر، نمازِ عصر، اور مغرب وعشاء کا جماعت سے پڑھنا واجب نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ جہاں نمازِ جمعہ ہوتی ہے اس کے ہر چہار جانب دو فرسخ تک کے لوگوں پر واجب ہے کہ اس نماز میں شرکت کریں سوائے اس کے کہ کسی عُذر کی وجہ سے ایسا نہ کرسکیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جس جگہ نمازِ جمعہ کا اہتمام ہو اس کے ایک فرسخ تک حرام ہے کہ کسی دوسری جگہ نمازِ جمعہ قائم کی جائے۔ صرف وہی ایک نماز ہونی چاہیے۔

اب دیکھیے کہ اگر واقعی ایسی نماز ہونے لگے تو وہ کیسی نماز ہوگی!

www.kitabmart.in

مثلاً تہران میں جس جگہ ہم اس وقت اکٹھے ہیں اگر یہاں نمازِ جمعہ تشکیل دی جائے اور یہاں سے شمال میں شمیران تک اور جنوب میں شہرِ ری تک اور اسی طرح مشرق اور مغرب میں بارہ کیلو میٹر کے فاصلے تک کے لوگ، کیونکہ دو فرسخ شرعی کے بارہ کیلو میٹر بنتے ہیں، اِس نماز میں شرکت کریں اور چھ کیلو میٹر کے فاصلے تک کسی اور جگہ نمازِ جمعہ نہ ہو تو آپ تصوّر کر سکتے ہیں کہ کس قدر عظیم اجتماع ہوگا۔

نمازِ جمعہ چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھی جاتی ہے کیونکہ بکثرت احادیث و اخبار میں آیا ہے اور یہ مُسلّمات میں سے ہے کہ

اِنَّمَا جُعِلَتِ الْجُمُعَةُ رَكْعَتَيْنِ لِمَكَانِ الْخُطْبَتَيْنِ.

یعنی اِس نماز میں جو یکجا ادا کی جاتی ہے فرض ہے کہ دو خُطبے پڑھے جائیں اور یہی دو خطبے دو رکعت کے قائم مقام ہیں۔

یہی وہ بات ہے جو میں نے عرض کی تھی کہ خود دینِ اسلام میں ایک موقع ایسا ہے کہ جہاں تقریر یا خُطبہ جُزوِ دین ہے، جُزوِ نماز ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"خطبہ خود نماز ہے۔"

لہٰذا جب تک امامِ جمعہ و جماعت خطبہ پڑھتا ہے اور منبر سے نیچے نہ اُترے لوگوں کو خاموشی سے اس کی طرف متوجّہ ہو کر خطبہ سُننا چاہیے گویا کہ وہ حالتِ نماز میں ہیں۔ البتہ کچھ فرق بھی ہیں، مثلاً قِبلہ رُو ہو کر بیٹھنا یا خُود امام کا جب وہ خُطبہ پڑھ رہا ہو قبلہ رُو ہونا واجب نہیں ہے

www.kitabmart.in

بہرحال اس موقع پر جو دو خطبے فرض ہیں وہ نمازِ ظہر کی دو رکعتوں کی جگہ پر ہیں۔

آپ ان اسلامی احکام پر جو آپ نے پہلے نہیں سُنے یا بہت کم سُنے ہیں تعجّب کریں گے اور پُوچھیں گے کہ جُمعہ کے اس اجتماع اور اس کے ان سب آداب کا مقصد کیا ہے؟ آپ کو اور زیادہ تعجّب ہوگا جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ اس اجتماع کا بڑا مقصد ان ہی خُطبوں کا سننا ہے اِس سے سمجھ لیجیے کہ یہ خُطبے کس قدر اہم اور کیسے ضروری ہیں۔ ان کی اس قدر اہمیت ہے کہ جیسے ہی مؤذّن تکبیر کی صدا بلند کرے، جو شخص جہاں بھی ہو اور جو کام بھی کر رہا ہو، اس کام کو چھوڑ کر نمازِ جُمعہ کے لیے لپکے اور پہلے ان دونوں خُطبوں کو سُنے اور پھر دو رکعت نماز باجماعت پڑھے، اس کے بعد وہ آزاد ہے۔ سورۂ جُمعہ میں اس کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ.

یہ بھی بتاتا چلوں کہ ظہر کی نماز میں پہلے ظہر کے وقت اذان ہوتی ہے اور پھر نماز پڑھی جاتی ہے لیکن جُمعہ کے دن اگر نمازِ جُمعہ پڑھنی ہو تو اذان، ظہر کے وقت سے پہلے دی جاتی ہے، ہونا یہ چاہیے کہ اذان اِس طرح دی جائے کہ زوالِ آفتاب شروع ہونے تک دونوں خُطبے پورے ہو جائیں۔

www.kitabmart.in

جیسے ہی نمازِ جمعہ کے لیے مؤذّن کی صدا بلند ہو اس کے بعد خرید و فروخت حرام ہے۔ نصِّ قرآنی ہے وَذَرُوا الْبَيْعَ۔ یہ اسلام کے مُسلّمات میں سے ہے۔ اس بارے میں شیعہ سُنّی کا کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کہیں صحیح طریقے سے جمعہ کی نماز ہوتی ہو اور اذان ہو جائے تو مثلاً: اگر کوئی دکاندار ترازو کے پاس بیٹھا یا کھڑا ہے اور گاہک مثلاً اس سے پنیر خرید رہا ہے اور وہ چھری لیے ہوئے پنیر کاٹ رہا ہے تو جیسے ہی اَللّٰهُ اَكْبَرُ کی آواز بلند ہو، دکاندار اور گاہک دونوں پر واجب ہے کہ ہاتھ روک لیں اور نماز کے لیے لپکیں:

فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔

یعنی دوڑو نماز کی طرف اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔

اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ فوراً جا کر خطبہ سُنیں۔

جمعہ کی نماز میں ایک نہیں دو خُطبے ہوتے ہیں — اِس طرح کہ امام ایک خُطبہ پڑھ کر بیٹھ جاتا ہے اور ذرا سی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر اُٹھ کر دوسرا خُطبہ پڑھتا ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ جمعہ کے خُطبہ کی کتنی اہمیت ہے کہ اس اجتماع کا خاص مقصد ہی ان خطبوں کو سُننا ہے۔ رہی یہ بات کہ ان خطبوں یا تقریروں میں کیا کہا جائے؟ تو اس کی صُورت یہ ہے کہ اوّل حمد و ثنائے الٰہی، اس کے بعد خاتم الانبیاءؐ اور ائمہ دینؑ پر درود و سلام پھر وعظ اور وہ ضروری مضامین جن کی تشریح میں بعد میں کروں گا۔ اور اس کے بعد قرآن کی ایک سُورت کی تلاوت۔ یہ وہ مواد ہے جو اسلام

www.kitabmart.in

نے تجویز کیا ہے۔

یہ سمجھنے کے لیے کہ اس اجتماع میں حاضری کس قدر اہم ہے اس روایت پر غور کیجیے جس کے مطابق :

> یہ واجب ہے کہ قیدیوں کو بھی پولیس اور جیل کے اہل کار اپنے ساتھ لائیں اور انھیں اس ہفتہ وار عام اجتماع میں شرکت کا موقع دیں۔ قیدیوں کو اپنے ساتھ حراست میں لائیں اور ان کو نگرانی میں رکھیں تاکہ انھیں فرار کا موقع نہ مل سکے۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ قیدی کو جیل سے باہر لایا جائے تاکہ وہ نمازِ جمعہ، جماعت کے ساتھ ادا کرے خطبہ سُنے اور پھر اپنی جگہ چلا جائے۔

امامِ جمعہ و جماعت کے لیے بھی کچھ آداب مقرر ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ سر پر عمامہ باندھے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی مختصر سی شال وغیرہ جس کے دو تین پیچ ہوں، سر پر رسولُ اللہ ص کے عمامہ کی طرح لپیٹ لے۔

اللہ، جناب حاجی رحیم ارباب اصفہانی کو زندہ و سلامت رکھے شاید آپ میں سے بہت سے ان کو جانتے بھی ہوں گے، وہ فقہ، اُصول، فلسفہ اور قدیم ریاضیات کے بڑے عُلماء میں سے ہیں اور مرحوم جہانگیر خاں قشقائی کے شاگرد رہے ہیں۔ مرحوم جہانگیر خاں ہی کی طرح وہ ابھی تک کھال کی ٹوپی اوڑھتے ہیں، باقی سب لحاظ سے ان کا لباس دیگر عُلماء ہی کی طرح ہے، وہی عبا قبا وہی حلیہ، صرف ٹوپی کھال کی اوڑھتے ہیں۔ وہ نمازِ جمعہ کے بڑے مُعتقد ہیں اور اصفہان میں خود نمازِ جمعہ پڑھاتے ہیں لیکن

www.kitabmart.in

لوگ چونکہ عموماً نمازِ جمعہ میں دلچسپی نہیں رکھتے اس لیے جس شان سے ہونی چاہیے نہیں ہوتی۔ وہ جب جمعہ کی نماز کے لیے آتے ہیں تو ایک مختصر سا عمامہ یعنی دو تین پیچ کی ایک شال سر پر باندھ کر آتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں فروردین ۱۳۳۹ھ میں اصفہان میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو جمعہ کی نماز کا تذکرہ آگیا۔ فرمانے لگے: معلوم نہیں کہ شیعہ کب نمازِ جمعہ کے ترک کا الزام اپنے اُوپر سے دُور کریں گے۔ سب اسلامی فرقے ہم پر اعتراض کرتے ہیں اور ہمارا مذہبی مذاق اُڑاتے ہیں کہ ہم نے جمعہ کی نماز ترک کر رکھی ہے۔ انھوں نے اِس بات کی تمنا کی کہ کاش قم کی مسجد اعظم میں چند ملین تومان خرچ کر کے (توسیع کی جائے) تاکہ یہاں شاندار طریقے سے نمازِ جمعہ قائم ہوا کرے۔

دُوسری بات یہ ہے کہ امام کھڑے ہو کر خطبہ پڑھے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا. قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ. وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ.

یعنی یہ لوگ ابھی تک تربیت نہیں پا سکے۔ ان میں ابھی جاہلانہ عادات اور رُسوم باقی ہیں، جیسے ہی ان کی نظر مالِ تجارت پر پڑتی ہے یا ڈھول کی آواز ان کے کان میں آتی ہے یہ آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ کر ان چیزوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ (سورۂ جمعہ۔ آیت ۱۱)

اِس آیت میں درجِ ذیل قصّے کی طرف اشارہ ہے:

www.kitabmart.in

ایک روز رسولِ خداؐ کھڑے ہوئے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ڈھول کی آواز آئی جو اس بات کی علامت تھی کہ سامانِ تجارت آگیا ہے لوگ اس ڈر سے کہ کہیں سامان ختم نہ ہو جائے، پیغمبرؐ کو کھڑا ہوا چھوڑ کر چلے آئے۔

مقصد اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ وَتَرَكُوكَ قَائِمًا یعنی "آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ دیا" سے ظاہر ہے کہ آپ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کی بدعت معاویہ کی ایجاد ہے۔

رہی یہ بات کہ جمعہ کی نماز کا امام اور خطیب ایک ہی شخص ہونا چاہیے یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خطیب کوئی اور ہو اور امامِ جماعت کوئی اور؟ تو یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اکثریت اسی کی قائل ہے کہ خطیب اور امامِ جماعت ایک ہی ہونا چاہیے، بلکہ بعض کے نزدیک امامِ جمعہ کی اوّلین شرط یہی ہے کہ وہ خطبہ دینے کے قابل ہو۔ اکثر روایات میں اس بات کو اِمَامٌ یَّخْطُبُ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے

ایک اور بات یہ ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہو، تلوار، نیزہ یا عصا پر ٹیک لگائے اور اسی حالت میں خطبہ دے۔

جمعہ کے خطبہ میں حمد و ثنائے الٰہی، ذکرِ رسولِ اکرمؐ و ائمہ اطہارؑ اور قرآن کی ایک سورت کی تلاوت کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ خطیب وعظ و نصیحت کرے اور جو باتیں مسلمانوں کے لیے ضروری ہوں، ان کو بیان کرے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ جمعہ کے خطبہ میں کن مضامین کا بیان ضروری ہے، ہمیں ایک اور روایت سے ہدایت ملتی ہے:

www.kitabmart.in

وَسَائِلُ الشیعہ جلد اول میں ان احادیث کے ضمن میں جو خطبۂ جمعہ سے متعلق ہیں ایک حدیث عِلَلُ الشرائع اور عُیونُ اخبارِ الرضاؑ کے حوالے سے نقل ہوئی ہے۔ اس حدیث کو فضل بن شاذان نیشاپوری نے جو ہمارے اکابر اور ثقہ رُواۃ میں سے ہیں امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے:

"اِنَّمَا جُعِلَتِ الْخُطْبَةُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ لِاَنَّ الْجُمُعَةَ مَشْهَدٌ عَامٌّ".

یعنی جمعہ کے دن خطبہ اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ جمعہ عام اجتماع کا دن ہے اور اس دن سب لوگوں کو اس اجتماع میں شرکت کرنی چاہیے۔

فَاَرَادَ اَنْ یَّکُوْنَ لِلْاَمِیْرِ سَبَبٌ اِلٰی مَوْعِظَتِهِمْ وَتَرْغِیْبِهِمْ فِی الطَّاعَةِ وَتَرْهِیْبِهِمْ مِّنَ الْمَعْصِیَةِ

اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ اس لیے مقرر کیا ہے تاکہ قوم کا امیر اپنی جماعت کے سامنے وعظ کہہ سکے انھیں طاعت کی ترغیب دے سکے اور گناہوں کے بُرے نتائج سے ڈرا سکے۔

وَتَوْقِیْفِهِمْ عَلٰی مَا اَرَادَ مِنْ مَّصْلَحَةِ دِیْنِهِمْ وَدُنْیَاهُمْ.

اور ساتھ ہی انھیں آگاہ کر سکے کہ ان کے دینی اور دُنیاوی مفاد کا تقاضا کیا ہے اور انھیں بتلا سکے کہ درحقیقت ان کی بھلائی کس بات میں ہے۔

www.kitabmart.in

وَيُخْبِرُهُمْ بِمَا يَرِدُ عَلَيْهِمْ مِّنَ الْآفَاقِ مِنَ الْأَحْوَالِ الَّتِيْ فِيْهَا الْمَضَرَّةُ وَالْمَنْفَعَةُ.

مزید یہ کہ دُور دراز علاقوں میں مُسلمانوں پر جو اچھی بُری گزرے اس کی اطلاع دے سکے۔ جو واقعات عالمِ اسلام میں پیش آتے ہیں کبھی تو وہ مُسلمانوں کے لیے ایک طرح کی خوشخبری ہوتے ہیں مثلاً اگر اسلام کو کوئی کامیابی اور ترقی حاصل ہو تو اس صُورت میں مُناسب ہے کہ لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور کبھی عالمِ اسلام کو کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اس صُورت میں بھی ضروری ہے کہ مُسلمان ایک دُوسرے کے حال سے واقف ہوں، مثلاً انھیں معلوم ہو کہ اس ہفتہ فلسطین یا دُنیا کے کسی اور مقام پر کیا گزری۔

رہی یہ بات کہ دو خُطبے کیوں پڑھے جائیں ایک ہی کیوں کافی نہیں اور آیا ان دو خطبوں میں کچھ فرق ہے؟ اس کے متعلق بھی اِسی حدیث میں ہے کہ:

وَاِنَّمَا جُعِلَتْ خُطْبَتَيْنِ لِتَكُوْنَ وَاحِدَةٌ لِلثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ وَالتَّحْمِيْدِ وَالتَّقْدِيْسِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْأُخْرٰى لِلْحَوَائِجِ وَالْأَعْذَارِ وَالْإِنْذَارِ وَالدُّعَاءِ لِمَا يُرِيْدُ اَنْ يُّعَلِّمَهُمْ مِّنْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ وَمَا فِيْهِ الصَّلَاحُ وَالْفَسَادُ.

یعنی اس کی وجہ کہ دو خطبے کیوں فرض ہوتے یہ ہے کہ ایک میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تقدیس و تمجید

www.kitabmart.in

بیان کی جائے اور دوسرے میں لوگوں کی ضروریات کا تذکرہ کیا جائے اور ان کو وعظ و نصیحت کی جائے۔ (لیکن جیسا کہ صاحبِ وَسَائِلُ الشیعہ نے کہا ہے کہ اس کی ہمیشہ ضرورت نہیں ہوتی)۔

میں نے آج یہ سب گفتگو خطبہ و منبر کی بحث میں یہ بتانے کے لیے کی ہے کہ اسلام میں ایک حکم ایسا بھی ہے جس کی رُوح سے خطابت جزوِ دین قرار پاتی ہے۔ رہی یہ بات کہ شیعوں میں اس کا رواج کیوں نہیں، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ مجھے خود یقین نہیں آتا کہ اس بابرکت اور اہم نماز کی شرائط کو اس قدر سخت اور محدود کیوں سمجھا گیا کہ یہ عملاً منسوخ اور متروک ہو گئی؟

مجھے ایک بات اور کہنی ہے اور یہ وعظ کا سُوال ہے۔ وعظ اور خطابت میں کچھ فرق ہے۔ خطابت ایک ہُنر ہے اور اس کا ایک فنی پہلو ہے۔ اس کے علاوہ خطابت کا مقصد جذبات اور احساسات کو کسی نہ کسی طرح برانگیختہ کرنا ہے، مگر وعظ کا مقصد نفسانی خواہشات کو ٹھنڈا کرنا ہے اور اس کا نمایاں پہلو برائیوں سے روکنا اور تنبیہ کرنا ہے۔

اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ خطابت کا مقصد مطلقاً قائل کرنا ہے تو پھر وعظ بھی خطابت ہی کی ایک قسم ہے۔ بہرحال وعظ کا لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں ایسے فقرے استعمال کیے جائیں جن کا مقصد تنبیہ کرنا، روکنا اور بوقتِ ضرورت شہوت اور غصّہ کو ٹھنڈا کرنا ہو۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ

"اَلْوَعْظُ زَجْرٌ مُقْتَرِنٌ بِالتَّخْوِیْفِ یعنی وعظ

www.kitabmart.in

کے معنیٰ روکنا ہیں ڈرانے کے ساتھ یعنی انجام سے ڈرانا۔"
پھر مشہور لغوی خلیل بن احمد کا قول نقل کرتا ہے :

"هُوَ التَّذْكِيرُ بِالْخَيْرِ فِيمَا يَرِقُّ لَهُ الْقَلْبُ

یعنی وعظ نیک کاموں کی یاددہانی ہے ایسے طریقے سے کہ دل نرم پڑجائے۔ لہٰذا وعظ وہ تقریر ہے جو رِقّتِ قَلْب پیدا کرے۔

لوگوں کو ہَوا پرستی، شہوت رانی، سُود خوری، رِیا کاری سے روکنا اور مَوت، قیامت اور دُنیا و آخرت میں اعمال کے اچھّے بُرے نتائج کی یاد دلانا وعظ ہے۔

اس کے برخلاف خطابت کی مختلف اقسام ہیں، کبھی اس کا مقصد جوش دلانا اور جنگ پر آمادہ کرنا ہوتا ہے، کبھی اس کا مقصد سیاسی ہوتا ہے، کبھی عدالت کو متأثّر کرنا ہوتا ہے، کبھی اس کا استعمال دینی اور اخلاقی مقاصد کے لیے ہوتا ہے، کبھی میدانِ جنگ میں سپاہیوں کی ہمّت بڑھانے کے لیے، کبھی لوگوں کو ان کے سیاسی اور سماجی حُقوق سے آگاہ کرنے کے لیے، کبھی رحم کے جذبات اُبھارنے کے لیے، جیسے مثلاً وہ تقریریں جو وکیل عدالت میں مُجرم کی سزا میں تخفیف کرانے یا رحم کی درخواست کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ اسی طرح کبھی اس کا مقصد دینی و اخلاقی شُعور کو بیدار کرنا ہوتا ہے۔

ہمارے یہاں خطابت سے زیادہ وعظ کا رواج ہے۔ حالانکہ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا خِطابت کی بہت سی اقسام موجود ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں وعظ کا زیادہ رواج ہے، ہماری مجالس زیادہ تر

www.kitabmart.in

وعظ کا رنگ رکھتی ہیں اور نمازِ جمعہ جس کے خطبوں میں مختلف رنگ ہو سکتے تھے ہمارے یہاں متروک ہے۔

مجالسِ وعظ کے نام سے جو چیز ہمارے یہاں باقی ہے وہ ان مجالس کی یادگار ہے جو صوفیوں نے ایجاد کی تھیں یعنی یہ کہ باقاعدہ مجلس تشکیل دی جائے، کچھ لوگ سُننے کے لیے جمع ہوں اور ایک شخص باقاعدہ واعظ و ناصح کی حیثیت سے گفتگو کرے۔ بظاہر یہ صوفیوں کی ایجاد ہے۔ یہ ایک اچھّی بات تھی اس لیے بعد میں دُوسروں نے بھی ایسی مجالس منعقد کیں۔ ہمارے یہاں صدیوں سے ایسی کتابیں موجود ہیں جو مجالسِ وعظ کے نام سے ترتیب دی گئی تھیں، جیسے مجالسِ سعدی اور مجالسِ رُومی وغیرہ یہ ایک اچھّا کام تھا، بعد میں دُوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔ شیعوں نے سیّدُالشہداؑ کی عزاداری اور مرثیہ خوانی کو رواج دیا۔ یہ بھی بہت اچھّا کام کیا۔

میرا خیال ہے کہ مجالسِ وعظ چُونکہ ابتدا میں صوفیوں کی تقلید میں شروع ہوئی تھیں اور تصوّف کی بنیاد چُونکہ نفسانی خواہشات کو دبانے اور تہذیب و تزکیۂ نفس پر ہے اس لیے یہ موضوع وعظ سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ ہمارے خطیب اگرچہ صُوفی نہیں ہیں تاہم وہ بھی زُہد اور ترکِ ہَوا و ہوس ہی کے پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

نہج البلاغہ میں جو امیرُالمومنینؑ کے کچھ خُطبات کا مجموعہ ہے، مختلف اقسام کے خُطبے شامل ہیں۔ اس میں مؤثر مواعظ بھی ہیں اور پُرجوش خُطبات بھی۔ مفتیٔ اعظم مصر شیخ محمّد عبدُہٗ نے نہج البلاغہ کی ایک مختصر شرح اور اس کا مقدّمہ لکھا ہے۔ وہ اپنے مقدّمہ میں رقمطراز ہیں:

www.kitabmart.in

"جب میں نے اِس کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے اس میں انواع و اقسام کی عبارت ملی جس نے مجھے حد درجہ متاثر کیا۔ اس کتاب کے مُطالعہ کے دوران میں مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک منظر کے بعد دُوسرا منظر میری آنکھوں کے سامنے آرہا ہے۔ کبھی یوں معلوم ہوتا تھا کہ لوگ شیر اور چیتے کی کھالیں پہنے حملہ کے لیے تیار ہیں۔ میں خود اس قدر متاثر تھا کہ میرا دل چاہنے لگتا تھا کہ میں بھی میدانِ جنگ میں جاکر دُشمنوں کا خون بہاؤں اور خود بھی چرکے پر چرکا کھاؤں۔ پھر دیکھتا تھا کہ منظر بدل گیا۔ میں ایک واعظ کے رُوبرو ہوں جو اپنی باتوں سے دلوں کو نرمی اور لطافت بخش رہا ہے، انھیں پاکیزگی اور صفائی عطا کر رہا ہے۔ پھر اچانک ایک اور منظر آتا تھا۔ میں محسوس کرتا تھا کہ ایک سیاست دان اور سماجی مصلح کھڑا ہوا عوام کے مفاد کی بات کر رہا ہے۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک فرشتہ عالمِ بالا سے ہاتھ پھیلائے ہُوئے ہے اور چاہتا ہے کہ لوگوں کو عالمِ بالا کی طرف کھینچ لے۔"

یہ واقعہ ہے کہ نہج البلاغہ میں انواع و اقسام کے خُطبے ملتے ہیں ان میں وعظ و نصیحت بھی ہے، توحید و معرفت کا بیان بھی۔ ان میں سیاسی خُطبے بھی ہیں اور رزمیہ خُطبے بھی۔ یہاں میں نمونہ کے طور پر ایک رزمیہ خُطبے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نقل کرتا ہوں۔

جنگِ صِفّین میں لشکرِ علیؑ اور لشکرِ مُعاویہ ایک دُوسرے کے مقابل

www.kitabmart.in

پہنچتے ہیں، حضرت علیؑ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ لشکرِ مُعاویہ نے پیش قدمی کرکے گھاٹ پر قبضہ کرلیا ہے اور ہمارا پانی روک دیا ہے، ہمیں اجازت دی جائے کہ فوراً جنگ شروع کردیں تاکہ گھاٹ پر دوبارہ قبضہ کرسکیں۔

آپ نے فرمایا: ٹھیرو! ممکن ہے ہم بات چیت کے ذریعہ اس قضیے کا حل نکال لیں۔ آپ نے خط لکھ کر قاصد کے ہاتھ بھیجا کہ ہم یہاں پہنچ گئے ہیں لیکن ہماری کوشش یہ ہے کہ ہتھیار استعمال کرنے کی بجائے مذاکرات کے ذریعہ سے اختلافات کو دُور کیا جائے۔ تم نے سب سے پہلے بڑھ کر ہمارے لشکریوں کا پانی بند کردیا۔ مُناسب یہ ہے کہ اپنے آدمیوں کو فوراً حکم دو کہ پانی کھول دیں۔

مُعاویہ نے اس بات پر کوئی دھیان نہیں دیا بلکہ گھاٹ پر قبضے کو اپنے لیے کامیابی تصور کیا۔ عمرو بن عاص نے جو مُعاویہ کا وزیر و مشیر تھا کہا بھی کہ آپ حُکم جاری کردیجیے کہ مزاحمت نہ کریں، علیؑ ایسے آدمی نہیں کہ پیاسے رہیں اور گھاٹ کا قبضہ نہ لے سکیں۔ مگر مُعاویہ نہیں مانا۔ بالآخر چند بار قاصدوں کی آمدورفت کے بعد علیؑ مجبور ہوگئے کہ حُکم دیں کہ حملہ کرکے مُعاویہ کے لشکریوں کو پیچھے دھکیل دیا جائے۔

یہاں موقع تھا جوش دلانے اور غیرت وحمیّت کو اُبھارنے کا حضرت علیؑ کے تین چار ہی جملوں نے وہ جوش وخروش پیدا کیا کہ ذرا سی دیر میں مُعاویہ کی فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ جب بھی میں یہ جملے پڑھتا ہوں میرے بدن میں کپکپی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ جُملے یہ ہیں:

قَدِ اسْتَطْعَمُوكُمُ الْقِتَالَ ۔

یعنی ان لوگوں نے پیش قدمی کی ہے اور جس طرح

www.kitabmart.in

کوئی بھوکا غذا تلاش کرتا ہے، یہ تم سے جنگ کے خواہاں ہیں۔

فَاَقِرُّوْا عَلٰی مَذَلَّةٍ وَّ تَاْخِیْرِ مَحَلَّةٍ اَوْ رَوُّوا السُّیُوْفَ مِنَ الدِّمَآءِ تَرْوَوْا مِنَ الْمَآءِ

اس لیے اب صرف دو راستے ہیں یا تو ذلّت پستی اور عقب نشینی برداشت کرو یا ان نابکاروں کے خون سے اپنی تلواروں کو سیراب کرو تاکہ تم پانی سے سیراب ہو سکو۔

فَاِنَّ الْحَیَاةَ فِیْ مَوْتِکُمْ قَاهِرِیْنَ وَالْمَوْتَ فِیْ حَیَاتِکُمْ مَّقْهُوْرِیْنَ.

زندگی اس میں ہے کہ تم جان دے دو اور کامیاب وکامران ہو کر غالب آؤ اور موت اس میں ہے کہ تم زندہ رہو مگر مغلوب و مقہور ہو کر۔

ان چند جملوں سے لشکریانِ امامؑ کی غیرت وحمیّت کو وہ جوش آیا کہ انھوں نے تھوڑی ہی دیر میں معاویہ کے ساتھیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔

اب میں ایک دو فقرے علیؑ کے فرزندِ عزیز حسینؑ ابن علیؑ کے خطبوں میں سے بھی بطور نمونہ پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ گو آج کل ہمارے یہاں جمعہ کے خطبہ کا رواج نہیں لیکن امام حسینؑ کی برکت سے خطبے اور منبر باقی ہیں۔ دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی خطبے ہیں لیکن ہمارے ملک میں دینی خطبوں کی بنیاد عزاداریٔ حسینؑ ابن علیؑ پر قائم ہے۔

www.kitabmart.in

ابو عبداللہؑ ہر معاملے میں اپنے والدِ بزرگوار کے قدم بہ قدم تھے یہی صورت ان کی خطابت کی بھی تھی لیکن ابو عبداللہؑ کو اتنا موقع بھی نہیں ملا جتنا امیرالمومنینؑ کو اپنے دورِ خلافت میں ملا تھا۔ تھوڑا سا موقع جو ابو عبداللہؑ کو ملا وہ اس سفر کے دوران میں تھا جو آپ نے مکہ سے کربلا تک فرمایا یا پھر اُن آٹھ دنوں میں جب آپ کا قیام کربلا میں رہا۔ اِس تھوڑی سی مدّت ہی میں آپ کے جوہر کھلے۔ جو خطبے آپ کے اس وقت موجود ہیں وہ بیشتر اسی مدّت میں دیے گئے تھے۔

امام حسینؑ کے خطبے اپنے والدِ بزرگوار کے خطبوں کا بعینہٖ نمونہ ہیں ان کی رُوح وہی ہے اور وہی معانی ان میں موجزن ہیں۔

خود امام علیؑ نے فرمایا تھا کہ

"زبان رُوح کا آلہ ہے۔ اگر معانی زبان پر نازل نہ ہوں تو زبان کیا کام دے سکتی ہے لیکن اگر معانی رُوح میں موجزن ہوں تو پھر زبان ان کو نہیں روک سکتی۔"

آپ نے فرمایا ہے:

وَاِنَّا لَاُمَرَاءُ الْکَلَامِ وَفِیْنَا تَنَشَّبَتْ عُرُوْقُہٗ وَعَلَیْنَا تَھَدَّلَتْ غُصُوْنُہٗ۔

ہم امیرِ سخن ہیں، اس کی جڑیں ہمارے وجود میں پیوست ہیں اور اس کی شاخیں ہمارے سر پر سایہ فگن ہیں۔

حسین بن علی علیہما السلام کا پہلا خطبہ جو کمال فصاحت و بلاغت کا مظہر اور ذکاوت و شجاعت اور بلند نظری اور ایمان بالغیب سے مالامال ہے، وہ خطبہ ہے جو آپ نے مکّہ میں اُس وقت دیا جب آپ کربلا کے لیے

www.kitabmart.in

روانہ ہو رہے تھے۔ اس میں آپ نے اپنے مُصمّم عزم کا اعلان کیا اور ضمناً یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ہمارا ہم فکر و ہم عقیدہ ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔

خُطَّ الْمَوْتُ عَلٰی وُلْدِ اٰدَمَ مَخَطَّ الْقِلَادَةِ عَلٰی جِیْدِ الْفَتَاةِ وَمَا اَوْلَهَنِیْ اِلٰی اَسْلَافِیْ اشْتِیَاقَ یَعْقُوْبَ اِلٰی یُوْسُفَ۔

موت نے فرزندانِ آدمؑ کو اس طرح نشان زدہ کر دیا ہے جس طرح گلوبند کا نشان جوان عورت کی گردن پر پڑ جاتا ہے۔ میں اپنے اسلاف سے ملاقات کا اسی طرح مُشتاق ہوں جس طرح یعقوبؑ یوسفؑ سے ملاقات کے مُشتاق تھے۔

مَنْ کَانَ فِیْنَا بَاذِلًا مُّهْجَتَهٗ مُوَطِّنًا عَلٰی لِقَآءِ اللّٰهِ نَفْسَهٗ فَلْیَرْحَلْ مَعَنَا۔ فَاِنِّیْ رَاحِلٌ مُّصْبِحًا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔

جو شخص ہمارے لیے جان نثاری پر آمادہ ہو اور اپنے پروردگار سے مُلاقات کے لیے تیار ہو وہ ہمارے ساتھ چلے، میں اِنشاءاللہ کل صُبح روانہ ہو جاؤں گا۔

دورانِ سفر میں بھی آپ نے متعدّد خُطبات دیے، وہ خُطبات تو اپنی جگہ ہیں، میں یہاں شبِ عاشورا کے خُطبے کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس رات کو اوّلِ شب ہی میں اس واقعہ کے بعد جو نویں تاریخ کی شام کو پیش آیا تھا، ابنِ زیاد نے سختی کے ساتھ حُکم دے دیا تھا کہ "اس چٹھی کے پہنچتے ہی قصّہ پاک کرو۔" تب امام حُسینؑ نے دُشمن سے ایک رات کی مُہلت چاہی اور فرمایا کہ

www.kitabmart.in

"خداوندِ عالم جانتا ہے کہ میں یہ مُہلت محض اس لیے نہیں چاہتا کہ ایک رات اور زندہ رہوں بلکہ اس لیے چاہتا ہوں کہ آج کی رات کو جو میری زندگی کی آخری رات ہے، نماز، دُعا، ذِکر و مُناجات اور اِستغفار میں گزاروں خداوندِ عالم خود جانتا ہے کہ مجھے یہ اعمال کس قدر محبوب ہیں"

بہرحال کچھ ردّ و قدح کے بعد دُشمن نے مُہلت دے دی۔ رات ہوئی تو فَجَمَعَ الْحُسَيْنُ اَصْحَابَهٗ عِنْدَ قُرْبِ الْمَآءِ یعنی امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو اس خیمہ میں جمع کیا جہاں عموماً پانی کی مشکیں رکھی جاتی تھیں آپ نے اپنے عالی مرتبت اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا:

اُثْنِيْ عَلَى اللّٰهِ اَحْسَنَ الثَّنَآءِ وَ اَحْمَدُهٗ عَلَى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَحْمَدُكَ عَلٰٓى اَنْ اَكْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَعَلَّمْتَنَا الْقُرْاٰنَ وَفَقَّهْتَنَا فِي الدِّيْنِ.

"میں اللہ کی بہترین ستائش کرتا ہوں اور ہر حالت میں راحت ہو یا تکلیف اُس کی حمد کرتا ہوں۔
بارِ الٰہا! میں تیرا سپاس گزار ہوں کہ تُو نے ہمیں نبوّت سے سرفراز فرمایا، ہمیں قرآن کا علم دیا اور ہمیں دین کی سمجھ عطا کی۔"

جس وقت آپ یہ فرما رہے تھے، اس وقت آپ کربلا میں محصُور تھے اور یہ قطعی طور پر طے ہو چکا تھا کہ کل آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ آپ جانتے تھے کہ کل آپ کے نوجوان ساتھی قتل کر دیے جائیں گے،

www.kitabmart.in

آپ کو بخوبی علم تھا کہ کل رات اِس وقت آپ کے بیوی بچّے دشمنوں کے ہاتھ میں اسیر ہوں گے، آپ کی اولاد بے رحم دُشمنوں کے چنگل میں ہوگی اِس کے باوجود، اِس کلام کو دیکھیے، اِس کی رُوح کو دیکھیے، اس میں مضمر رُوحانی تجلّیات کو دیکھیے، شکر گزاری کی شان کو دیکھیے! چُونکہ آپ اپنی ہر تکلیف کو خُدا کی طرف سے سمجھتے تھے، اِس لیے آپ کو اس کی ذرّہ برابر بھی پروا نہیں تھی، آپ اپنے اللہ کے شکر گزار تھے، اس کی شانِ اقدس میں حمد و ثنا کے پھُول نچھاور کر رہے تھے، آپ فرما رہے تھے کہ "رنج ہو یا راحت، آرام ہو یا تکلیف، میں ہر حال میں اپنے اللہ کا شکر گزار ہوں ہر حال میں قضائے الٰہی پر راضی اور خُوش ہوں۔ اگر ایک دن، میں رسُولِ اکرمؐ کے دامنِ محبّت میں آسُودہ تھا، آپؐ کا دستِ شفقت میرے سر پر تھا تو میں اس پر خُدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر کسی دن، مثلاً کل ہی میں گرم ریت پر تشنہ دہن پڑا تڑپ رہا ہوں گا جب بھی خُدا کا شکر ادا کرتا رہوں گا، کیونکہ یہ حالت بھی رضائے معبُود کے حصُول کے لیے ہی ہوگی۔ اگر ایک دن ایسا تھا کہ رسُولِ خُداؐ میرے ہونٹوں کو چُومتے تھے تو میں اس پر خُدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور اگر کبھی ایسا دن آیا کہ حق گوئی کی پاداش میں میرے ان حق آشنا ہونٹوں کو بید کی چھڑی سے واسطہ پڑا جب بھی چُونکہ یہ تکلیف راہِ حق میں ہوگی، میں اپنے پروردگار کا شکر گزار ہی رہوں گا۔ میرا مقام فقط مقامِ صبر نہیں مقامِ شکر بھی ہے۔"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی ان بڑی بڑی نعمتوں کا ایک ایک کرکے ذِکر کیا جن کی برابری کوئی نعمت نہیں کرسکتی، اور ان نعمتوں پر دل کی گہرائیوں سے اللہ کا شکر کیا۔ آپ نے فرمایا:

www.kitabmart.in

"یا الٰہی! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے خاندان کو نبوّت سے مُعزّز و مُمتاز فرمایا۔ آخر نبوّت سے بڑھ کر اور کیا اِعزاز ہو سکتا ہے؟!

یا الٰہی! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تُو نے ہمیں قرآن سکھایا۔ قرآن کے علم کے لیے ہمیں مُنتخب فرمایا۔

میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تُو نے ہمیں دین کی بصیرت عطا کی۔ خُدایا اگر سب نعمتیں بھی یکجا کر دی جائیں جب بھی وہ سب مل کر اس نعمت کی برابری نہیں کر سکتیں کہ تُو نے ہمیں قُرآن کے علم کے لیے مُنتخب فرمایا۔ اسی طرح سب نعمتیں مل کر بھی رسُولِ اکرمؐ سے ہمارے جسمانی اور رُوحانی تعلّق اور رشتے کی برابری نہیں کر سکتیں اور نہ سب نعمتیں مل کر اِس نعمت کا مقابلہ کر سکتی ہیں کہ مجھے دین کی رُوح اور اس کے معنیٰ پر عبُور عطا فرمایا گیا ہے۔"

اس کے بعد امام حُسین علیہ السلام اپنے اہلِ خاندان اور اپنے اصحاب سے مُخاطب ہوئے، ان سے اظہارِ تشکّر و خوشنودی فرمایا اور ان کی بہت تعریف کی۔ آپ نے فرمایا:

"اَمَّا بَعْدُ! فَاِنِّیْ لَآ اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْفٰی وَلَا خَیْرًا مِّنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَھْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلَآ اَوْصَلَ وَلَآ اَفْضَلَ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ عَنِّیْ خَیْرَ الْجَزَآءِ۔

میں اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور بہتر

www.kitabmart.in

ساتھیوں اور اپنے اہلِ خاندان سے زیادہ نیک اور رشتے داری کا حق ادا کرنے والے کسی خاندان سے واقف نہیں۔
اللہ تعالیٰ آپ سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔"

اس کے بعد امامؑ کی رُوحِ اِستغناء مُلاحظہ ہو، واقعی اِستغناء کی کیا شان ہے! آپ نے سب کو اجازت دے دی اور فرمایا:

"ان لوگوں کو میرے سوا کسی سے کچھ غرض نہیں۔
اگر یہ مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر کسی اور کے درپئے آزار نہیں ہوں گے۔ آپ لوگ رات کی تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر جا سکتے ہیں۔"

ایک روایت کے مُطابق آپ نے یہ کہہ کر اپنا سر جُھکا لیا تھا تاکہ اگر کوئی جانا چاہے تو اسے شرمندگی نہ ہو۔

اب دیکھیے کہ ان کے اصحاب نے کیا جواب دیا؟

سب سے پہلے جس نے بات کی وہ امامؑ کے سعادت مند بھائی اَبُوالفضلِ العباسؑ تھے، دُوسرے بھی آپ کے ہم آواز تھے۔ آپ نے کہا کہ

"بھائی جان! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو خُدا کو کیا جواب دیں گے؟ اس کے رسُولؐ کو کیا جواب دیں گے؟ آپ کے بعد جینے کا کیا مزہ ہے۔"

پھر مُسلِم بن عَوسَجہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور بولے:

"اَنَحنُ نُخلِی عَنکَ؟ کیا میں آپ کو تنہا چھوڑ

www.kitabmart.in

دوں؟ نہیں، بخدا! میں ان بدبخت نابکاروں سے اُس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک کہ اپنے نیزے کی انی ان کے سینوں میں نہ اُتار دوں اور جب تک تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر میرے پاس ہتھیار نہیں ہوں گے تو میں آپ کے دشمنوں پر پتھر پھینک کر اپنا فرض پورا کروں گا تاکہ اللہ کے نزدیک یہ متحقق ہو جائے کہ رسولِ خداؐ کی طرف سے آپ کے بارے میں جو فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا، میں نے اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔

اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا اور پھر زندہ کیا جاؤں گا اور پھر قتل ہوں گا، پھر میری لاش کو جلا دیا جائے گا اور میری راکھ ہوا میں بکھیر دی جائے گی اور یہ عمل ستّر بار دہرایا جائے گا، جب بھی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ چہ جائیکہ یہ معلوم ہو کہ صرف ایک دفعہ کی جاں نثاری کی بات ہے اور اس کے بعد عُقبیٰ میں عزت ہی عزت ہے۔"

اس رات اگر کوئی چیز امام حسینؑ کے دل کو تسکین پہنچا سکتی تھی تو وہ یہی باتیں تھیں اور ان کے ساتھیوں کے یہی سچّے جذبات تھے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ
الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

www.kitabmart.in

خطبہ اور منبر

(۲)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔

عَلَّمَہُ الْبَیَانَ۔

میں نے پچھلی تقریر میں خطابت اور اسلام کے تعلق اور اس تغیّر کے بارے میں گفتگو کی تھی جو اسلام نے خطابت میں پیدا کیا۔ میں نے اس ضمن میں اس اسلامی حکم کا بھی تذکرہ کیا تھا جس کے مطابق اسلام نے ایک خاص طرز کے خطبہ کو اسلامی تعلیمات کا جزوِ لاینفک قرار دیا ہے۔

گو ہمارے ملک میں خطبہ اور منبر کا وجود فاجعۂ کربلا کی وجہ سے ہے لیکن چونکہ میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرنا چاہتا تھا اس لیے اس ضمن میں نمازِ جمعہ کی بحث ناگزیر تھی۔ اس کے علاوہ میں نے ان

www.kitabmart.in

آداب و قواعد کا بھی تذکرہ کیا تھا جو خطبۂ جمعہ کے باب میں وارد ہوتے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ جب میں دوبارہ خطبہ کے بارے میں گفتگو کروں تو یہ بھی تجویز پیش کرسکوں کہ ہمیں آج بھی ان احکام پر عمل کرنا چاہیے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے مُلک میں خطبہ و منبر کا وجود شہادتِ عُظمیٰ کا رہینِ منّت ہے۔ وہ کیسے؟ وہ ایسے کہ جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ سیدالشہداء امام حُسین علیہ السلام نے اپنے زمانے میں مروجہ نظام کے خلاف تحریک چلائی اور شہید ہوئے۔ سیّدُالشہداءؑ کی عزاداری کے بارے میں ایسی روایات آئی ہیں کہ کوئی شیعہ ان کا انکار نہیں کرسکتا۔

عزاداری شیعہ مذہب کے مُسلّمات میں سے ہے۔ ائمۂ اطہار علیہم السلام نے بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے کہ عاشورے کی یاد کو قائم رکھا جائے۔ شعراء کو ہدایت کی گئی ہے کہ اس موضوع پر شعر کہیں اور لوگوں کے احساسات کو جھنجھوڑیں۔ جو لوگ عاشورے کی یاد سے مُتاثر ہو کر آنسو بہاتے ہیں ان کے اس فعل کو مقدّس قرار دیا گیا ہے۔ بکثرت احادیث میں گریہ و بُکا کی فضیلت آئی ہے۔ آج میں یہ احادیث سُنانا نہیں چاہتا، لیکن اجمالاً اتنا عرض کرتا ہوں کہ کسی شیعہ کے لیے انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارے مذہب میں یہ حکم ہے۔

یہاں دو اُمور پر گفتگو ضروری ہے:

ایک تو یہ کہ امام حُسینؑ کے قیام کا فلسفہ کیا تھا؟ امام حُسینؑ نے قیام کیوں کیا؟ ان کے قیام کا محرک کیا تھا؟

دُوسرے یہ کہ ائمۂ دین نے یہ تاکید کیوں کی ہے کہ امام حُسینؑ کے قیام کی یاد ہمیشہ باقی رکھی جائے اور بُھلائی نہ جائے۔ آخر عاشورے کے

www.kitabmart.in

موضوع کو زندہ رکھنے کا فلسفہ کیا ہے؟

ہم شیعوں کے عقیدے کے مطابق دین کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں، اس لیے ان دونوں باتوں کی بھی حکمت معلوم ہونی چاہیے۔ اگر یہ حکمت معلوم ہو جائے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ ان احکام کی کیا اہمیت ہے اور واقعۂ کربلا سے متعلق احکام سے ہمیں کس قدر زیادہ فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

امام حسینؑ نے قیام کیوں کیا؟

اِس کی تین طرح سے توجیہ کی جا سکتی ہے:

ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ امام حسینؑ کا قیام ایک معمولی واقعہ تھا جس کا مقصد معاذ اللہ محض ذاتی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش تھا ـــــ مگر یہ ایسی توجیہ ہے جس کو کوئی مسلمان ہرگز پسند نہیں کر سکتا اور نہ تاریخی واقعات ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

دُوسری توجیہ وہ ہے جو اکثر عوام الناس کے ذہن میں آتی ہے کہ اُمّت کے گناہوں کو بخشوانے کے لیے امام حسینؑ نے جان دی اور شہید ہوئے۔ یعنی آپ کی شہادت دراصل اس اُمّت کے گناہوں کا کفّارہ ہے ـــــ یہ بالکل ویسی ہی بات ہے جیسی کہ عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں گھڑ لی ہے اور اپنا عقیدہ بنا لیا ہے کہ اپنی اُمّت کے گناہوں کا کفّارہ ادا کرنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ صلیب پر چڑھ گئے۔

بالفاظِ دیگر، امام حسینؑ اس لیے شہید ہوئے کہ گنہگاروں کو آخرت میں جو سزا ملنی تھی وہ نہ ملے تاکہ لوگ آزادی سے گناہ کر سکیں ـــــ اِس عقیدے کا مطلب یہ ہُوا کہ امام حسینؑ نے دیکھا کہ کچھ یزید،

www.kitabmart.in

ابنِ زیاد، شمر اور سنان ہیں تو سہی لیکن ان کی تعداد کم ہے لہذا انھوں نے سوچا کہ کوئی کام ایسا کیا جائے کہ ان لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو، چنانچہ انھوں نے یزید سازی اور ابن زیاد سازی کا کارخانہ قائم کر دیا تاکہ یہ آئندہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں پیدا ہو سکیں۔ یہ طرزِ فکر اور یہ توجیہ انتہائی خطرناک ہے۔ امام حسینؑ کی تحریک کے اثر کو زائل کرنے ان کے مقاصد کے خلاف نبرد آزما ہونے اور عزاداریٔ امام حسینؑ کے متعلق جو احکام ہمیں ملے ہیں ان کو سبوتاژ کرنے اور غیر معقول ثابت کرنے کا اس طرزِ فکر سے زیادہ موثر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ آپ یقین کریں کہ ہم جو اعمال کی بجا آوری میں اتنے بے پروا اور لاابالی واقع ہوئے ہیں اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ امام حسینؑ کی تحریک کی اتنی غلط توجیہ کی گئی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے ایک وجہ کہا کیونکہ اور بھی وجوہات ہیں جن کا تعلق قومی اور نسلی پہلو سے ہے۔

مُرجئہ کا عقیدہ تھا کہ "ایمان اور اعتقاد کافی ہے، نجات کے لیے عمل کی کوئی قید نہیں۔" اگر یہ عقیدہ درست ہے تو خداوندِ بے نیاز ہر بدعملی کو معاف کر دے گا۔ اس فرقہ کے بارے میں جناب زید بن علی بن الحسینؑ نے کہا تھا کہ

هٰؤُلَآءِ اَطْعَمُوا الْفُسَّاقَ فِیْ عَفْوِ اللّٰهِ.

"یعنی ان لوگوں کی حرکت سے اس بھروسے پر کہ اللہ مُعاف کر دے گا فُسّاق کی جرأت بڑھ گئی ہے کہ وہ جتنے چاہیں گناہ کریں۔"

یہ اس وقت مُرجئہ کا عقیدہ تھا۔ شیعوں کا عقیدہ اس زمانے میں

www.kitabmart.in

اس کے بالکل برعکس تھا لیکن آج شیعہ بھی وہی کہتے ہیں جو زمانۂ قدیم میں مُرجیہ کہتے تھے۔ اس وقت تو شیعوں کا عقیدہ اس نصِّ قرآنی کے مُطابق تھا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔

یعنی ایمان بھی ضروری ہے اور عملِ صالح بھی۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ دُنیائے اسلام میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ امام حسینؑ نے اُٹھ کھڑے ہونا اپنا فرض سمجھا۔ ان کی رائے میں اسلام کی بقاء کے لیے ان کا اپنا قیام ضروری اور ان کا فرض تھا۔ خلیفۂ وقت سے ان کا اختلاف اور نزاع اس بات پر نہیں تھا کہ تُو خلیفہ ہو یا میں خلیفہ ہوں یا تو جس منصب پر فائز ہے وہ مجھے ملنا چاہیے۔ اختلاف بُنیادی اور اُصولی تھا۔ اگر یزید کی بجائے کوئی اور شخص بھی یہی کام کرتا اور یہی روش اختیار کرتا تو امام حسینؑ اس کے خلاف بھی قیام کرتے، چاہے اس شخص کا سُلوک خُود امام حسینؑ کے ساتھ اچھّا ہوتا یا بُرا ہوتا۔ یزید اور اس کے اَعوان و اَنصار بھی امام حسینؑ کی ہر قسم کی اعانت کے لیے تیار تھے، بشرطیکہ امامِ عالی مقامؑ ان کے کاموں سے تعرض نہ کریں اور ان کی روش پر صاد کر دیں۔ اگر امامؑ کوئی علاقہ مانگتے، مثلاً یہ کہتے کہ حجاز و یمن کی حکومت مجھے دے دو یا عراق کی یا خراسان کی حکومت میرے حوالے کر دو تو وہ یہ علاقہ ضرور دے دیتے۔ بلکہ اگر امامؑ چاہتے تو اس علاقہ میں حکومت کا کُلّی اختیار بھی انھیں مل جاتا جتنی چاہتے وُصول کرتے اور جس طرح چاہتے خرچ کرتے۔ اگر دِل چاہتا تو کچھ رقم مرکزی حکومت کو بھیج دیتے اور نہ چاہتا تو نہ بھیجتے۔ مگر درحقیقت امام حسینؑ کی

www.kitabmart.in

جنگ مسلک وعقیدہ کی جنگ تھی، حق وباطل کی جنگ تھی اور حق وباطل کی اس جنگ میں خود امام حسینؑ کی اپنی ذات کی حیثیت ثانوی تھی۔ آپ نے خود چند مختصر الفاظ میں یہ بات اپنے اصحاب پر واضح کردی تھی۔ ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا تھا اور غالباً اس وقت فرمایا تھا جب حُر اور ان کے ساتھی پہنچ گئے تھے، اس بنا پر یہ خطاب عام تھا۔

آپ نے فرمایا تھا:

اَلَا تَرَوْنَ اَنَّ الْحَقَّ لَا یُعْمَلُ بِهٖ وَالْبَاطِلَ لَا یُتَنَاهٰی عَنْهُ. لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ فِیْ لِقَآءِ اللّٰهِ مُحِقًّا.

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے اجتناب نہیں کیا جاتا؟ ان حالات میں ہر مومن کا فرض ہے کہ شہادت کے لیے تیار ہو جائے۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا لِیَرْغَبِ الْاِمَامُ یعنی امام کا فرض ہے کہ شہادت کے لیے تیار ہو جائے۔ آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ لِیَرْغَبِ الْحُسَیْنُ یہ حسین کا ذاتی فرض ہے، آپ نے فرمایا لِیَرْغَبِ الْمُؤْمِنُ مطلب یہ ہے کہ ان حالات میں مومن کا یہ کام ہے کہ موت کو زندگی پر ترجیح دے۔ جب حق پر عمل نہ ہو رہا ہو اور باطل پر کوئی روک ٹوک نہ ہو تو ہر مسلمان پر بحیثیت مسلمان کے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اُٹھ کھڑا ہو اور جامِ شہادت نوش کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔

ان تین توجیہات میں سے ـــــ ایک توجیہ تو وہ ہے جو کوئی دشمنِ حسینؑ ہی کر سکتا ہے ـــــ ایک توجیہ وہ ہے جو خود حسینؑ نے کی ہے

www.kitabmart.in

یعنی یہ کہ وہ راہِ حق میں اُٹھے تھے ـــــ ایک اور توجیہ وہ ہے جو ان کے نادان دوست کرتے ہیں اور جو ان کے دُشمنوں کی توجیہ سے بھی زیادہ خطرناک گمراہ کُن اور حسینؑ کے مقصد و منشا سے بعید ترین ہے۔

رہا سوال کا دُوسرا حصّہ کہ ائمّہ دین نے مجالسِ غم برپا کرنے کی وصیّت فرمائی، تو اس کی بھی وجہ وہی ہے جو ابھی میں نے عرض کی، امام حسینؑ نہ اپنی کسی ذاتی غرض کے لیے شہید ہوئے، نہ اُمّت کے گناہوں کے کفّارہ کے طور پر انھوں نے اپنی جانِ عزیز قربان کی۔ انھوں نے تو راہِ حق میں اپنی جان دی اور باطل کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوتے۔ اس لیے ائمّہ اہلبیتؑ نے یہ چاہا کہ امام حسینؑ کا مکتبِ شہادت باقی اور ان کی تحریک زندہ رہے[1]

شہادتِ حسینؑ چونکہ حق و باطل کے مقابلہ کی تحریک ہے اس لیے اسے ہمیشہ قائم و دائم رہنا چاہیے ورنہ امام حسینؑ کو اس سے کیا فائدہ کہ ہم روئیں یا نہ روئیں۔ اور ہمیں خود بھی اس سے کیا فائدہ کہ پہلے تو بیٹھ کر روئیں اور پھر کپڑے جھاڑ کر چل دیں۔ ائمّہ اہلبیتؑ تو یہ چاہتے تھے کہ قیامِ امام حسینؑ ایک تحریک اور ایک مشعلِ راہ کے طور پر ہمیشہ باقی رہے کیونکہ یہ حقیقت دوستی اور حقیقت طلبی کا ایک چراغ ہے اور حق طلبی، حُریّت اور

---

[1] رہبرِ کبیر حضرت آیت اللہ خمینی نے فرمایا: امام حسینؑ کی مجلسِ عزا منعقد کرنا اسلام کی بقا کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ سیّد الشہداءؑ کی مجالس کی مخالفت کرتے ہیں وہ اسلام کی حقیقت سے بالکل ناآشنا ہیں۔ عزاداریٔ سیّد الشہداءؑ ہی نے آج تک اسلام کا تحفظ کیا ہے۔

www.kitabmart.in

آزادی کی پکار۔ اس حُریّت و آزادی کی تحریک اور ظُلم و اِستبداد کے مُقابلہ کی تعلیم کو باقی اور زندہ رہنا چاہیے۔

اس حُکم کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود ائمہؑ اطہارؑ کے زمانے ہی میں انقلاب برپا ہوگیا اور خُود امام حسینؑ کا نام ظلم کے خلاف انقلاب کا نعرہ بن گیا، بہت سے انقلابی شاعر پیدا ہوگئے۔ کُمیت اَسدی پیدا ہوگیا، دِعبل خُزاعی وُجود میں آگیا۔ جانتے ہو کُمیت اَسدی کون تھا؟ دِعبل خُزاعی کون تھا؟ یہ دونوں روضہ خواں تھے لیکن میری طرح کے روضہ خواں نہیں۔ یہ مرثیہ گو شاعر تھے لیکن محتشم کاشانی وغیرہ کی طرح کے مرثیہ گو نہیں۔ دل چاہتا ہے کہ آپ کو کُمیت اَسدی، دِعبل خُزاعی، ابنُ الرومی اور ابُوفراس ہمدانی کے عربی اشعار سُناؤں تاکہ آپ ان کا مُوازنہ محتشم کے اشعار سے کرسکیں جس کی تعریف و توصیف میں ہزاروں داستانیں زباں زد ہیں۔ مگر کہاں یہ اور کہاں وہ ــــ خاک کو آسمان سے کیا نسبت؟ اِن شعراء کے اشعار حُسینی تعلیمات کی عکّاسی کرتے تھے۔

صرف کُمیت اَسدی کے اشعار بنی اُمیّہ کے لیے پُورے ایک لشکر سے زیادہ ضرر رساں تھے۔ یہ شخص کون تھا؟ ایک مرثیہ گو تھا مگر ایسا مرثیہ گو نہیں کہ آکر چند اُلٹے سیدھے اشعار سُنائے اور کُچھ روپے جیب میں ڈال کر چل دیا۔ وہ شعر کہتا تھا تو دُنیا کو ہلا دیتا تھا، دربارِ خلافت پر لرزہ طاری کردیتا تھا۔

عبداللہ بن حسَن بن علی المعروف بہ عبداللہ محض، کُمیت کے جاندار اشعار سے ایسے مُتاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنے کھیت کا قبالہ لاکر اسے پیش کردیا۔ کمیت نے کہا یہ تو کسی طرح ممکن نہیں کہ میں اسے قبول کرلوں، میں تو

www.kitabmart.in

سیّدالشہداءؑ کا مرثیہ خواں ہوں اور صرف رضائے الٰہی کی نیّت سے مرثیہ کہتا ہوں، میں پیسے کمانے کے لیے شعر نہیں کہتا۔ عبداللہ کے بے حد اصرار پر اسے ماننا پڑا اور اس نے قبالہ لے لیا۔ کچھ دن بعد کُمیت عبداللہ بن حسن بن علی کے پاس آیا اور کہنے لگا: میری آپ سے ایک درخواست ہے اگر آپ منظور کرلیں۔ عبداللہ نے کہا ضرور منظور کریں گا مگر بتاؤ تو سہی بات کیا ہے؟ کُمیت نے کہا پہلے آپ پختہ وعدہ کیجیے پھر بتاؤں گا غرض عبداللہ نے وعدہ کرلیا اور شاید قسم بھی کھالی۔ جیسے ہی انھوں نے وعدہ کیا، کُمیت نے قبالہ واپس کردیا اور کہہ دیا کہ میں قبالہ نہیں لے سکتا۔

ایک اَور موقع پر بنی ہاشم نے کچھ روپے جمع کرکے اسے دینے چاہے، ہر ممکن تدبیر کی مگر اسے نہ لینے تھے نہ لیے اور صاف کہہ دیا کہ یہ قطعی ناممکن ہے کہ میں آپ سے رُوپے لوں۔

اس شخص نے اپنے اشعار اور اس نوع کی مرثیہ خوانی کی بدولت کیا کیا سختیاں نہیں جھیلیں، کیسی کیسی تکلیفیں نہیں اُٹھائیں مگر اس کے پائے استقامت کو ذرا جُنبش نہیں ہوئی۔ آخرکار اسے پکڑ کر حاکمِ کوفہ یُوسف بن عمر ثقفی کے گھر لے گئے، اس نے آٹھ آدمی اس کے بدن پر چرکے لگانے کے لیے مقرر کردیے۔ جب اس کا دمِ آخر ہُوا تو آخری الفاظ جو اس نے کہے یہ تھے:

اَللّٰھُمَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ! اَللّٰھُمَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ!

خُدایا اہلبیتؑ پیغمبرؐ! خُدایا اہلبیتؑ پیغمبرؐ!

دِعبل بن علی خُزاعی کو تو آپ جانتے ہیں؟ وہ کہتا تھا کہ "میں پچاس سال سے خانہ بدوش ہوں۔"

www.kitabmart.in

ان مرثیہ گو شعراء کی ادبی قدر و قیمت کا اندازہ کیونکر لگایا جاسکتا ہے کہ جن کی تربیت خود ائمہ علیہم السلام نے کی ہو۔ یہ صرف مرثیہ گو اور مرثیہ خواں ہیں۔ یہ مرثیہ کہتے تھے لیکن ان کے مرثیوں میں نوحہ اور بین نہیں تھا، وہ رزمیہ مرثیے کہتے تھے۔ ان کے قصیدے ایک انقلابی مفکر کے مقالات کی طرح پُر اثر تھے۔ انھوں نے سید الشہداء امام حسینؑ کے زیر سایہ بنی امیہ اور بنی عباس پر ایسی سخت تنقید کی کہ انھیں خون کے آنسو رلوا دیا۔

آپ نے ضرور سنا ہوگا کہ متوکل نے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کی قبر کو زیر آب کر دیا جائے اور کسی کو ان کی قبر پر جانے کی اجازت نہ دی جائے، اگر کوئی وہاں جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اگر کوئی حسینؑ بن علیؑ کا نام لے تو اسے سزا دی جائے۔

آپ ضرور سوچتے ہوں گے کہ متوکل کسی نفسیاتی الجھاؤ میں مبتلا تھا اور اس وجہ سے نام حسینؑ سے غیر معقول دشمنی اور بے سبب کینہ رکھتا تھا۔ نہیں جناب! یہ بات نہیں ہے۔

ائمہ اہلبیتؑ نے عزاداری حسینؑ کے بارے میں جو تاکید کی تھی اس کے اثر اور کمیت اور دعبل جیسے شاعروں کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے امام حسینؑ کے نام میں وہ تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ ان کا نام ہی متوکل کے باپ کے زوال کا سبب بن گیا تھا۔ متوکل صاف دیکھ رہا تھا کہ ان میں سے ہر شاعر اس پر ایک لشکر سے زیادہ بھاری ہے اور حسینؑ شہادت کے بعد بھی اس جیسے لوگوں کے منصوبے خاک میں ملانے کے لیے اتنے ہی کافی ہیں جتنے اپنی زندگی میں تھے۔

چونکہ ائمہ اہلبیتؑ کی اس ہدایت اور اس حکم نے کہ سید الشہداءؑ کی

www.kitabmart.in

یاد کو قائم رکھا جائے، ان کے نام کو ظلم کے خلاف ایک نظریے اور ایک عقیدے کی شکل دے دی تھی اس لیے متوکّل خوب سوچ سمجھ کر اس کے درپے تھا کہ اس نظریے اور اس عقیدے کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ امام کی یاد کسی طرح باقی رہے۔ ورنہ بہ لحاظِ دیگر متوکّل کافی ہوشیار آدمی تھا، تقدس کا لبادہ بھی اوڑھے ہوئے تھا اور ذاتی طور پر وہ امام حسینؑ کے بارے میں کسی نفسیاتی الجھاؤ کا بھی شکار نہیں تھا مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ مرثیہ خوانی نے ایک ایسے نظریے کی شکل اختیار کر لی ہے کہ اب متوکّل، متوکّل نہیں رہ سکتا۔

اور بھی بہت سے قصے ہیں، اگر ان کو جمع کر لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سیّدالشہداءؑ کے مرثیہ گو جب تک تعلیماتِ ائمہؑ کی پیروی کرتے رہے معاشرے میں ان کا کردار لائق صد تحسین رہا۔ ان باتوں کو اگر سمجھ لیا جائے اور ان کا سمجھنا ہے بھی ضروری، تو عزاداریٔ حسینؑ سے صحیح استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

پھر بھی میں یہ کہوں گا کہ باوجود تمام کوتاہیوں کے سیدالشہداءؑ کی نسبت آج بھی لوگوں کے جذبات و احساسات حقیقی اور پاک ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگ جن کی نیت بری نہیں، جب یہ دیکھتے ہیں کہ عزاداری کا مطلب غلط سمجھ لیا گیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ اب اس قصہ کو ختم ہی کر دیا جائے کیونکہ لوگ محض اس لیے گریہ و بکا کرتے ہیں کیونکہ انھوں نے یہ سن رکھا ہے کہ اس طرح گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہو تو وہ قطعاً نہ روئیں لیکن یہ غلط فہمی ہے، حقیقت یہ نہیں۔ کسی کو لالچ دے کر رلایا نہیں جا سکتا۔ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو کچھ لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہیے کہ کسی اور شخص کے لیے، مثلاً شاہ عبّاس کے لیے ذرا آدھ گھنٹہ بیٹھ کر روئیں تو ہم

www.kitabmart.in

ہر ایک کو ایک ہزار تومان دیں گے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے ؟

رونے کے لیے احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب تک آدمی متاثر نہ ہو اسے رونا نہیں آتا۔ آدمی اسی وقت رو سکتا ہے جب وہ غمگین ہو یا اس کے دل میں تڑپ ہو۔ سیّدالشہداءؑ کی نسبت لوگوں کے جذبات واقعی ایک طرح سے حقیقی ہیں۔ لوگوں کو امام حسینؑ سے سچی محبت اور عقیدت ہے اور وہ دل سے ان کے لیے آنسو بہاتے ہیں۔ محرم اور صفر کے مہینوں میں ڈھیروں آنسو بہائے جاتے ہیں۔ جب تک غم و اندوہ نہ ہو، عشق و محبّت نہ ہو، احساسات و جذبات نہ ہوں رونا نہیں آتا۔ یہ جذبات قیمتی اور بڑے قیمتی ہیں، مگر ابھی تک ہم نے ان جذبات سے جیسا کہ چاہیے ویسا فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہم کیوں ان جذبات سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتے، یہ ایک الگ بات ہے۔

ہمارے پاس بہت سی چیزیں ہیں جن سے ہم فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ہمارے یہاں دریائے کارون ہے جس سے ہم نے ابھی تک فائدہ نہیں اٹھایا تھا، تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ دریائے کارون کسی کام کا نہیں۔ صدیوں سے ہمارے یہاں زیرِ زمین تیل کے ذخائر تھے جن سے ہم نے فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ ہمارے ملک میں ہزاروں معدنی ذخائر تھے اور ہیں جن سے ہم فائدہ نہیں اٹھا رہے۔

اگر ہمارا ملک چاہتا ہے کہ وہ خوشحال ہو اور جادۂ ترقی پر آگے بڑھے، یہاں تعلیمی اور صنعتی لحاظ سے پیش رفت ہو، حریت و آزادی کی راہ پر لگے تو بہترین اور آسان طریقہ یہ ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ واحد طریقہ یہ ہے کہ سیدالشہداءؑ کے بارے میں لوگوں کے سچے جذبات سے استفادہ

www.kitabmart.in

کیا جائے۔[1] یہ جذبات حقیقی ہیں اور ایک ہستی کے بارے میں ہیں جو قرار واقعی ان کی مستحق ہے اور جس کا پیش کردہ نظریہ بہت بلند اور عظیم ہے۔

ہم اپنے دین و مذہب کی ہدایت پر کیوں عمل نہ کریں، یہ تو بڑی اچھی ہدایت ہے جس پر ضرور عمل کرنا چاہیے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

بہرحال خطبہ و منبر کا جو ہمارے یہاں رواج ہے وہ نتیجہ ہے کربلا کے اندوہناک واقعہ کا اور اس کا کہ ائمہ اطہارؑ نے عزاداریٔ سید الشہداءؑ کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ عزاداری ہی کی برکت ہے کہ مجالس میں فہمیدہ اور متدیّن اشخاص تقریریں کرتے ہیں۔

اب چونکہ سیّد الشہداءؑ کے نام پر مجالس ترتیب دی جاتی ہیں اور انھی کے نام پر لوگ جمع ہوتے ہیں تو کیوں نہ ہم اس موقع سے ایک اور فائدہ اٹھائیں اور کیوں نہ ضمناً ایک اور اصول پر بھی عمل پیرا ہوں؟ وہ اصول امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ہے۔ اس طرح امام حسینؑ کے دو منبر ہوں گے: ایک منبر تو مرثیہ خوانی اور مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مخالفت میں اظہار جذبات کا، جس کا اگر صحیح استعمال ہو تو وہ تمام عظیم آثار مرتب ہوں گے جن کا میں نے پیشتر ذکر کیا اور دوسرا منبر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا۔

ہمارے ملک میں رُشد و ہدایت کا جو سلسلہ جاری ہے اور جو کچھ زبانی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوتا ہے وہ سب حسینؑ بن علیؑ ہی کے

---

[1] ایران میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے یہی نعرہ بلند کیا گیا تھا:

نہضتِ ما حسینیؑ ، رہبرِ ما خمینی

www.kitabmart.in

مقدّس نام کے طفیل سے ہے۔ یہ نہایت مناسب طریقہ اور بہت مستحسن رواج ہے۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ منبرِ حسینؑ سے ضمناً کچھ نہ کچھ امر بالمعروف اور اصول و فروعِ دین کی تعلیم کا کام لیا جاتا ہے اور حسینؑ بن علیؑ کے بارے میں لوگوں کے جو حقیقی جذبات ہیں ان سے قدرے استفادہ کیا جاتا ہے۔

جس قدر لوگ حسینؑ بن علیؑ کے نام پر جمع ہو جاتے ہیں، اتنے کسی اور کے نام پر جمع نہیں ہوتے، اس لیے یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ اس طرح کا دستور موجود ہے۔ اب یہ کہ اس پر کس طرح عمل ہوتا ہے، یہ موقوف ہے ذاکر کی اپنی لیاقت اور قابلیت پر اور اس پر کہ وہ عقائد اور اصول دین بیان کر سکتا ہے، لوگوں کو پند و نصیحت کر سکتا ہے، حرام و حلال سمجھا سکتا ہے اور لوگوں کو ان کے دینی و دنیاوی مفاد سے آگاہ کر سکتا ہے لوگ بہر حال حسینؑ بن علیؑ کی برکت سے سننے کے لیے تیار ہیں۔ اب یہ ذاکر پر ہے کہ اس میں ان حقائق کو بیان کرنے کی قابلیت ہے یا نہیں۔

جب یہ صورت ہے تو پھر یہ ضروری ہوا کہ اس معاملے پر مناسب غور و فکر کر کے ہر دو پہلو سے اس کی اصلاح کی تدبیر کی جائے۔ مرثیہ خوانی کے پہلو سے بھی اور لوگوں کی ہدایت و ارشاد کے پہلو سے بھی۔

جہاں تک مرثیہ خوانی کا تعلق ہے مرثیہ خواں حضرات کو چاہیے کہ سیّد الشہداءؑ کی تحریک کی حقیقی روح اور اس کے مقصد کی طرف توجّہ دیں اور ان احکامات و ہدایات کی علّتِ غائی کو ذہن میں رکھیں جو ائمۂ اطہارؑ نے عزاداری کے بارے میں دی ہیں۔ چونکہ یہ ہدایات بلا وجہ نہیں دی گئیں اس لیے ان حضرات کو چاہیے کہ تحریکِ کربلا کے مقصد اور عزاداریٔ سیّد الشہداءؑ کے فلسفہ سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ یہ بات ایک دو بار نہیں، سیکڑوں

www.kitabmart.in

بار، بلکہ ہمیشہ لوگوں کے کانوں میں پڑتی رہنی چاہیے، اس لیے ضروری ہے کہ ذاکرین خود صاحبِ بصیرت ہوں، ان کی معلومات چند پیش پا افتادہ جنگ ناموں تک محدود نہ ہوں اور وہ خود ساختہ لِسَانُ الذاکرین اور صَدرُالواعظین نہ ہوں۔ یہ لوگ بہت سی باتیں ایک دوسرے سے سن کر نقل کرتے رہتے ہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ فلاں بات کہاں سے معلوم ہوئی تو جواب ملتا ہے کہ فلاں لِسَانُ الذاکرین نے بیان کی ہے۔ مطلب یہ کہ کسی کتاب میں نہیں دیکھی، محض ادھر ادھر سے سنی ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے لطیفے ہیں۔ اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو میں آج ان میں سے کچھ آپ کو سناتا جس سے آپ کو معلوم ہوتا کہ جھوٹ جو کوئی ایک شخص گھڑتا ہے کس تیزی سے پھیلتا ہے اور کس طرح ایک دوسرے سے ہوتا ہوا ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جا پہنچتا ہے۔ ضروری ہے کہ تاریخی واقعات صرف معتبر تاریخی کتابوں سے معتبر مؤرخین کے قول کے مطابق نقل کیے جائیں۔

ہمارے یہاں ایک مؤرخ ڈاکٹر آیتی ہیں (جامعۂ تعلیمات اسلامی کی شائع کردہ کتاب "تاریخ عاشورا" کے مصنف ڈاکٹر محمد ابراہیم آیتی مرحوم) جن کو صدرِ اول کی تاریخ پر عبور ہے۔ میں جرأت کر کے کہہ سکتا ہوں کہ شاید پورے تہران بلکہ تمام ملک میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کو صدرِ اسلام کی تاریخ پر ایسا عبور ہو جیسا انھیں ہے، کوئی اور شخص ایسا نہیں ہے جسے تاریخ کے اس دور کے متعلق ایسی تفصیلی معلومات ہوں جیسی انھیں ہیں۔ ان صاحب کو اس دور سے متعلق تمام تاریخی کتابوں اور تاریخی جزئیات پر ایسا کامل عبور ہے کہ شاید و باید۔ مثلاً اگر آپ جنگِ بدر

www.kitabmart.in

کے بارے میں ان سے کچھ پوچھیں تو وہ اس جنگ میں شریک ایک ایک آدمی کے بارے میں تفصیل سے بتا سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات وہ یہ بھی بتا دیں گے کہ فلاں شخص جو جنگِ بدر میں شریک تھا اس کا باپ کون تھا، ماں کون تھی، اعزہ اور اقربا کون تھے، وغیرہ۔ جو بات یہ صاحب کہتے ہیں سند ہوتی ہے لیکن اب اس کا کیا علاج کہ آپ اہلِ تہران کو تحقیقی بات سننے کی عادت ہی نہیں۔ ان صاحب کی تازہ ترین تصنیف جس کو یونیورسٹی نے شائع کیا ہے اندلس کی تاریخ کے بارے میں ہے اور اس کا نام بھی "تاریخ اندلس" ہے۔ اس میں تاریخ اسلام کے ایک ایسے حادثۂ فاجعہ کا ذکر ہے جس کے بارے میں ہم مسلمانوں خصوصاً ایرانیوں نے بڑی کوتاہی سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب پڑھنے کی ہے، ضرور پڑھیے!

بہرحال! ذکر یہ تھا کہ قیامِ حسینی کا مقصد اور عزاداری کا فلسفہ منبروں سے بار بار بیان ہوتے رہنا چاہیے تاکہ وہ فائدہ مرتب ہو اور وہ مقصد حاصل ہو جس کے لیے امام زین العابدینؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ اور امام کاظمؑ عزاداری کی تلقین کرتے رہے تھے تاکہ کُمیت اور دِعبل جیسے شاعر پیدا ہوں اور ان کے مرثیوں سے وہی پہلے جیسے نتائج برآمد ہوں۔

کوئی ایسا کام ہرگز نہیں کرنا چاہیے جس سے جذبات سرد پڑ جائیں بلکہ وہ کام کرنا چاہیے جس سے جذبات میں اور بھی شدت پیدا ہو۔ حق و صداقت سے لوگوں کی محبت اور باطل سے نفرت میں اضافہ ہو۔

مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

کہہ رہا ہے یہ ارے کون بہ اندازِ سروش
کہ بس امروز ہے امروز، نہ فردا ہے نہ دوش

www.kitabmart.in

کس کی یارب یہ صدا ہے کہ فضا ہے خاموش
میں حسینؑ ابنِ علیؑ بول رہا ہوں اے جوشؔ!
بخش دے آگ مرے سرد عزاداروں کو
ہاں! جگا ڈاب میں سوئی ہوئی تلواروں کو

○

اے قوم! وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیرِ حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے؟ اُسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابنِ علیؑ ہو[1]

○

حق و باطل کا معرکہ دنیا میں ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، موسیٰؑ اور فرعون ہمیشہ دنیا میں رہے ہیں، ابراہیمؑ اور نمرود ہمیشہ دنیا میں رہے ہیں، محمدؐ اور ابوجہل ہمیشہ رہے ہیں، علیؑ اور معاویہ دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں، حسینؑ اور یزید ہمیشہ رہے ہیں ؎

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
این دو قوّت از حیات آمد پدید
اقبال

---

[1] زیرِ بحث مضمون کی مناسبت سے اِن اشعار کا اضافہ کیا گیا ہے۔

www.kitabmart.in

مقصد یہ نہیں ہے کہ ابراہیمؑ، موسیٰؑ، محمدؐ، علیؑ اور حسینؑ کے مرتبہ کے لوگ ہمیشہ رہے ہیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ حق اور باطل ہمیشہ برسرِ پیکار رہے ہیں۔ معاشرے کے سامنے ہمیشہ دو راستے رہے ہیں، ایک حق کا اور دوسرا باطل کا۔ یہ مجلس و مرثیہ کا ایک رُخ ہے۔

دوسرا رُخ ہے ارشاد و ہدایت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا۔ اس بارے میں کیا کرنا چاہیے اور اس پر عمل کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

میرا خیال ہے کہ اس طریقۂ کار پر عمل کرنا چاہیے جو خطبۂ جمعہ کے بارے میں ہمارے لیے تجویز کیا گیا ہے اور جس کے متعلق میں نے کل رات ایک روایت امام رضاؑ سے نقل کی تھی۔ یہ فرمان بہت جامع ہے۔ لیکن ہمارے یہاں جمعہ کی نماز تو ہوتی نہیں کہ اس ہدایت پر جمعہ کے خطبوں میں عمل کیا جائے[1]۔ اس لیے ان ہی خطبوں اور تقریروں میں اس پر عمل کیا جائے جو حسینؑ بن علیؑ کی برکت سے ہمارے یہاں رائج ہیں۔

امام ثامن حضرت رضاؑ کی جو روایت میں نے کل رات بیان کی تھی اس میں خطیب کے فرائض کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلے حصّے کے بارے میں فرمایا گیا ہے :

---

[1] الحمد للہ شاہِ ایران کی طاغوتی حکومت کے خاتمے کے بعد ایران کے ہر شہر میں نمازِ جمعہ کے فقید المثال اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ صرف تہران میں چالیس سے پچاس لاکھ افراد بیک وقت ایک جگہ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں۔ آج کے ایران میں دیواروں پر امام خمینی کا یہ جملہ لکھا نظر آتا ہے۔

نمازِ جمعہ یک نمازِ عادی نیست

www.kitabmart.in

"اِنَّمَا جُعِلَتِ الْخُطْبَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لِاَنَّ الْجُمُعَةَ مَشْهَدٌ عَامٌّ فَاَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ لِلْاَمِيْرِ سَبَبٌ اِلٰى مَوْعِظَتِهِمْ وَتَرْغِيْبِهِمْ فِي الطَّاعَةِ وَتَرْهِيْبِهِمْ مِّنَ الْمَعْصِيَةِ.

یعنی جُمعہ کا دن ایسا ہے کہ سب لوگ جمع ہوتے ہیں اور مسلمانوں کا ایک عظیم اجتماع ترتیب پاتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس موقع پر مسلمانوں کا رہنما وعظ کہے، اطاعتِ خُداوندی کی ترغیب دے اور گناہوں سے متنبّہ کرے۔"

کوئی فردِ واحد بھی ایسا نہیں جسے وعظ و نصیحت کی حاجت نہ ہو یہ تو ممکن ہے کہ کسی کو کسی دوسرے سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو مگر وعظ و نصیحت سے کوئی بے نیاز نہیں کیونکہ کسی بات کا جاننا اور ہے اور کسی مومن و متّقی واعِظ کی تلقین سے اثر پذیر ہونا اور بات ہے۔ کہتے ہیں امام علیؑ اپنے اصحاب میں سے کسی سے فرماتے تھے کہ "مجھے نصیحت کرو۔" اور آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ "سُننے میں جو اثر ہے وہ جاننے میں نہیں۔"

ضروری ہے کہ ہمیشہ کچھ لوگ جو اس کام کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہیں، ان کو خدا کی یاد دلاتے رہیں موت سے غافل نہ ہونے دیں اور انھیں گناہوں کے نتائج و عواقب سے ڈراتے رہیں، قبر و قیامت کا تذکرہ کرتے رہیں، لوگوں کو عَدلِ الٰہی کی طرف متوجہ کرتے رہیں۔ یہ ضروری باتیں ہیں، مُعاشرہ کبھی ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ گزشتہ زمانے میں ہمارے یہاں اچھے اچھے واعِظ ہوئے ہیں اور

www.kitabmart.in

بحمداللہ اب بھی ہیں جتنے زیادہ باصلاحیت اور جامع الشرائط واعظ ہوں بہتر ہے۔ خطبہ و منبر کے سلسلے میں اس کام کا ہونا بھی ضروری ہے۔

خطیب کے فرائض کا دوسرا حصّہ وہ ہے جس کے متعلق امام رضاؑ نے فرمایا:

"وَتَوْقِيفِهِمْ عَلَىٰ مَا أَرَادَ مِنْ مَصْلَحَةِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ."

یعنی خطیب کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو ان باتوں سے آگاہ کرے جو ان کے دینی اور دُنیاوی مفاد میں ہوں اور یہ بتائے کہ موجودہ حالات میں انھیں کیا کرنا چاہیے اور ان کی دینی اور دنیاوی مصلحتوں کا اقتضاء کیا ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑا کام ہے اور پند و نصیحت اور عام وعظ سے بہت زیادہ مشکل ہے۔ عام وعظ کی تو یہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص اہلِ ایمان ہے، باعمل ہے، پُرخلوص ہے تو اگر اسے وعظ کے چند کلمات بھی کہنے آتے ہیں تو وہ وعظ کر سکتا ہے اور ایک حد تک اس کا وعظ مفید بھی ہوگا۔ اگر آدمی باعمل اور پرخلوص ہو تو یہ بھی کافی ہے کہ بزرگوں کے کچھ اقوال ہی بیان کر دے لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ دینی اور دُنیاوی مصالح عالیہ بیان کرے اور ان سے لوگوں کو آگاہ کرے تو یہ بڑا کٹھن کام ہے۔

اس کام میں دو دشواریاں ہیں: ایک تو یہ کہ اس کے لیے بڑی وسیع معلومات درکار ہیں۔ دوسرے خلوص بہت ضروری ہے تاکہ دین و

www.kitabmart.in

دنیا کی جو مصلحتیں وہ سمجھتا ہے وہ صاف صاف دُوسروں کو بتلا سکے۔

جہاں تک معلومات کا تعلق ہے تو دین کے اصول و مبانی سے کافی واقفیت ہونی چاہیے، اسلامی تعلیمات کی رُوح سے آگاہی ہونی چاہیے۔ اسلام کے ظاہر و باطن اور پوست و مغز میں تمیز کی صلاحیت ہونی چاہیے تاکہ وہ دینی مصلحتوں کو سمجھ سکے اور بیان کر سکے۔ صرف عام دینی معلومات اس مقصد کے لیے کافی نہیں۔ اس کے علاوہ اس کے لیے معاشرے کو سمجھنا بھی ضروری ہے اور یہ جاننا بھی کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے اور موجودہ حالات میں اسلامی معاشرے کی مصلحت کا تقاضا کیا ہے تاکہ وہ دنیا میں رونما ہونے والے واقعات اور اسلامی معاشرے کے مفاد سے لوگوں کو روشناس کرا سکے۔

مقامِ افسوس ہے کہ وعظ کا یہ پہلو ہمارے ہاں کمزور ہے۔ واعظ بہت ہیں اور وعظ کے دوسرے پہلو کمزور نہیں یا کم از کم بہت کمزور نہیں مگر یہ پہلو بہت کمزور ہے کیونکہ مُطالعہ کی بہت کمی ہے۔ امام رضاؑ کا ارشاد بہت زیادہ ارزش رکھتا ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ "لوگوں کو دین و دُنیا کی مصلحت سے آگاہ کرو۔" جس شخص کو صرف کسی خاص علم مثلاً فقہ، ادب یا فلسفہ کی چند کتابوں سے سروکار رہا ہو اور جس نے مدرسہ کے ایک کونے میں زندگی گزاری ہو وہ نہیں سمجھ سکتا کہ مُعاشرہ کی کیا حالت اور کیا ضرورت ہے۔ مدرسہ کے کونے میں بیٹھ کر کوئی مُعاشرے کے مفاد پر نظر نہیں رکھ سکتا۔ دُنیا کے بدلتے ہوئے حالات کا علم بھی بہت ضروری ہے۔ یہ اندازہ کرنے کے لیے کہ آئندہ کیا پیش آنے والا ہے اور مُعاشرے کو ان سے کس طرح نبٹنا چاہیے تاکہ

www.kitabmart.in

کسی خطرے کا سامنا نہ کرنا پڑے، بڑی تیز حِس کی ضرورت ہے۔ پیش بینی کی صلاحیت کے بغیر ہدایت و رہنمائی کا کام ممکن نہیں۔

ہدایت کا کیا مطلب ہے؟ ہدایت کے معنی ہیں رہنمائی۔ کوئی قافلہ کسی منزل کی طرف چلا جا رہا ہو تو راستے میں کسی سے پُوچھتے ہیں کہ فلاں منزل کی طرف کونسا راستا جاتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ "اس طرف جاؤ"۔ یہ رہنمائی ہے۔ قافلے کا رہنما کون ہو سکتا ہے؟ صرف وہی جو سمجھتا ہو کہ قافلہ کس راستے پر ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ معاشرہ بھی ایک قافلے ہی کی طرح ہے جو ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے۔ ہم چاہیں یا نہ چاہیں یہ قافلہ رَواں دَواں ہے۔ ہمیں سمجھنا چاہیے کہ اس قافلے کو کس سمت میں لے جایا جائے۔

اس کی مثال یُوں سمجھیے کہ موٹر ڈرائیور گاڑی چلا رہا ہے، اس حالت میں اسٹیرنگ وہیل اس کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ کہیں اسے گاڑی بند کرنے یا ٹھیرانے کی ضرورت ہوتی ہے اور کہیں گاڑی کی رفتار تیز کرنے اور بڑھانے کی، کسی جگہ اسٹیرنگ وہیل گھمانا پڑتا ہے، کہیں گیئر بدلنا ہوتا ہے اور کہیں بریک لگانا۔ یہ سب باتیں گاڑی کو صحیح چلانے کے لیے ضروری ہیں۔ یہی حال معاشرے کا ہے، اسے بھی صحیح سمت میں چلانے کے لیے یہی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کبھی اس کا رُخ موڑنے کی ضرورت ہوتی ہے، کبھی تیز چلانے کی اور کبھی ٹھیرانے کی۔ ہر کام وقتِ معیّن پر کرنا ہوتا ہے۔ اسے ہی مُعاشرے کی مصلحت کو سمجھنا کہتے ہیں۔ جو شخص یہ بات نہیں سمجھتا وہ مُعاشرے کا ہادی اور رہبر نہیں بن سکتا اور نہ معاشرے کی مصلحت اور مَفاد کے بارے میں گفتگو کر سکتا ہے۔

www.kitabmart.in

ہم مُعاشرے کے ہادی و رہبر اسی وقت بن سکتے ہیں جب ان سب باتوں کو سمجھیں اور ہمیں یہ معلوم ہو کہ کس وقت کیا کرنا چاہیے، کہاں معاشرے کو بریک لگانا چاہیے اور کہاں اس کا رُخ موڑنا چاہیے۔ معاشرہ رواں دواں ہے، پیچ و خم آتے رہتے ہیں، کبھی کبھی مُعاشرتی موڑ آجاتے ہیں اور معاشرہ ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں بہت احتیاط سے گھومنا پڑتا ہے۔

ہمارا مُعاشرہ بھی اس وقت کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہے ایک نیا تمدّن ابھر رہا ہے، نئے نئے نظریے اور نئے نئے خیالات پیدا ہو رہے ہیں، ہمارے سامنے رکاوٹیں ہیں اور ہمیں بہت احتیاط سے چلنا ہے تاکہ ہم سہولت سے اور بے خطر اس موڑ سے گزر جائیں۔ اسٹیرنگ بہت آہستہ گھمانے کی ضرورت ہے تاکہ کوئی خطرناک صورتِ حال پیدا نہ ہو۔ سامنے دیوار ہے، اس دیوار سے بچ کر اپنے راستے پر جانا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آنکھیں بند کر کے اسی طرح چلتے رہیں جیسے پہلے چل رہے تھے۔ پہلے دیوار نہیں تھی، اب دیوار ہے۔ پہلے رکاوٹ نہیں تھی اب رکاوٹ ہے۔ دریا آگیا ہے۔ ہم پہاڑ کے درہ پر پہنچ گئے ہیں۔ بہرحال یہ معاشرے کے رہنما کا کام ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کرے کہ منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے مُعاشرے کو کہاں مُڑنا ہے اور کس نئے راستے پر چلنا ہے۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رفتار کہاں بڑھانی ہے۔ آج دُنیا ریس کورس بن گئی ہے، سب کوشش کر رہے ہیں کہ دوڑ جیت لیں اور آگے نکل جائیں اِس لیے رفتار تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ آج عِلم اور صنعت کی دوڑ ہے، ایسے میں ضروری ہے کہ مُعاشرے کو حرکت میں لایا جائے تاکہ وہ دوڑ میں

www.kitabmart.in

پیچھے نہ رہ جائے۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہے کہ بیٹھے بیٹھے نکتہ چینی اور اعتراض کرنے کا نام رہنمائی اور ہدایت نہیں۔

ایک روز میں نے مدرسہ مروی میں چند طلبہ سے اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہادیٔ قوم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ ہم لوگوں کو منع کرنے ہی کا کام اختیار کرلیں۔ جب بھی کوئی بات ہو یہی کہے جائیں یہ مت کرو، وہ مت کرو اور اسی طرح لوگوں کو ایک مصیبت میں مبتلا کردیں۔ کبھی کبھی لوگوں کی ہمت افزائی بھی کرنی چاہیے اور لوگوں کو کام پر آمادہ کرنا چاہیے۔ میں نے یہی موٹر گاڑی کی مثال دی اور کہا کہ ہمیں موٹر ڈرائیور کی طرح کبھی رفتار تیز کرنی چاہیے کبھی اسٹیرنگ وہیل گھمانا چاہیے کبھی بریک لگانا چاہیے اور کبھی تیز روشنی جلانی چاہیے۔ ہر موقع کا اپنا ایک اقتضا ہے۔ پھر میں نے مذاقاً کہا کہ ہمیں مسٹر بریک نہیں بنے رہنا چاہیے کہ ہر جگہ بس بریک ہی لگاتے رہیں۔ محض بریک لگانا کافی نہیں ہے، کبھی مسٹر اسٹیرنگ اور کبھی مسٹر گیئر بھی بن جانا چاہیے۔ اس پر ایک طالب علم نے کہا "ہم تو کچھ بھی نہیں، صرف ریورس گیئر ہیں"۔

بہرحال مختلف مواقع کو سمجھنے کے لیے وسیع علم اور زیادہ معلومات کی ضرورت ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ یہ سمجھے کہ مورچہ کہاں ہے، موقعے پر قبضہ کرنا چاہیے۔ جو موقع ملے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٌ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا۔

یعنی اللہ کی رحمت کی ہوائیں کبھی کبھی چلتی ہیں،

www.kitabmart.in

اللہ کی رحمت کی مثال اس نسیم خوشگوار کی سی ہے جس
کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ کب آئے گی۔ چوکنے رہو
تاکہ اس بادِ بہاری کے جھونکے جب بھی آئیں ان سے
فائدہ اُٹھا سکو۔"

اچھے اور مُناسب موقع کی مثال زُود گزر ہوا کے جھونکے کی سی ہے جو آتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ اگر ہاتھ سے نکل جائے تو پھر اسے پکڑا نہیں جاسکتا۔ افسوس ہماری حالت پر کہ ہم موقع گنواتے رہتے ہیں۔

ہمارے ملک میں مادہ پرست اور گمراہ لوگ جنھوں نے اپنے مسلک پر مذہب کا لیبل لگا رکھا ہے کس قدر چالاک ہیں کہ وہ ایک مُعاشرتی چوکی کے بعد دوسری چوکی اور ایک مورچہ کے بعد دوسرا مورچہ ہمارے ہاتھ سے چھینتے اور جبّاس مراکز پر قبضہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح اپنا مقصد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ مگر ہمارا یہ حال ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ "یہ مت کرو، وہ مت کرو، بریک لگاؤ بریک" اور اس کارنامے پر بہت خوش اور مطمئن ہیں۔

اِس فقرہ سے :

وَتَوْقِيفِهِمْ عَلَىٰ مَا أَرَادَ مِنْ مَصْلَحَةِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ.

مُراد یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی دینی اور دُنیاوی مصلحتوں سے آگاہ کیا جائے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا اس کے لیے دو شرطیں ہیں: علم اور خُلوص۔ دین کے لیے بھی علم کی ضرورت ہے اور دُنیا کے لیے بھی۔ واعظ

www.kitabmart.in

کو دین شناس بھی ہونا چاہیے اور دُنیا کے حالاتِ حاضرہ اور مُعاشرتی واقعات تغیّرات اور موجودہ رجحانات سے بھی باخبر ہونا چاہیے۔

تا راہ بیں نباشی تو کے راہبر شوی!

جہاں تک خُلوص کا تعلق ہے حاجی نوری علیہ الرحمہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "لُؤلُؤ و مَرجان" ہے۔ میں نے اس کتاب کا نام تو سُنا تھا مگر پڑھی اسی سال ہے۔ یہ کتاب مرثیہ خوانی اور مرثیہ خواں حضرات کے بارے میں ہے، اس کا وعظ وخُطبہ اور واعِظ وخطیب حضرات سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔ انھوں نے مرثیہ خوانی کے لیے دو شرطیں بیان کی ہیں ایک اخلاص اور دوسرے راست گوئی۔ ان دونوں نکتوں پر بلند پایہ بحث کی ہے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ جب میں نے یہ کتاب پڑھی تو مجھے بہت پسند آئی اور حاجی نوریؒ سے میری عقیدت میں اضافہ ہوگیا۔ حاجی نوریؒ محدث، بڑے پابندِ شریعت اور متّقی شخص تھے اور مرحوم حاجی شیخ عبّاس قمی اَعلَی اللہُ مَقَامَہٗ کے اُستاد تھے۔ خود شیخ عبّاس اور کئی دُوسروں نے اعتراف کیا ہے کہ اتّباعِ شریعت میں وہ اس درجہ تک نہیں پہنچ سکے جس درجہ پر ان کے اُستاد تھے۔ میں حاجی نوریؒ کی اہم کتابیں پڑھ چکا تھا اور پہلے سے ان کا عقیدت مند تھا مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھنے کے بعد ان سے میری عقیدت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اس کتاب کے مقدمہ میں وہ ایک ہندوستانی عالم کا نام بڑی عزت کے ساتھ لیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان صاحب نے مجھے خط لکھا اور اس میں ہندوستان میں مجلس ومنبر کی جو صورت ہے اس کی شکایت کی اور لکھا کہ "یہاں کے مرثیہ خواں زیادہ تر جھوٹے قِصّے بیان کرتے ہیں۔" حاجی

www.kitabmart.in

نوریؒ کہتے ہیں کہ ان ہندوستانی عالم نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس سلسلے میں ایک کتاب لکھوں تاکہ ان لوگوں کی دروغ گوئی کا سدّباب ہو سکے۔ حاجی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ شاید ان ہندوستانی عالم کا خیال تھا کہ صرف ہندوستان ہی کے روضہ خواں جھوٹے قصّے سُناتے ہیں، عراق و ایران میں ایسی دروغ گوئی نہیں ہوتی ہوگی اور وہاں صحیح و معتبر روایات ہی بیان ہوتی ہوں گی۔ انھیں معلوم نہیں کہ جھوٹ کی اشاعت کا مرکز تو یہیں ہے اور یہیں سے جھوٹے قصّے ہندوستان پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد حاجی نوریؒ کہتے ہیں کہ یہ سب قصور علماء کا ہے جو تنقید اور اعتراض نہیں کرتے۔ اگر اہلِ علم سہل انگاری سے کام نہ لیتے، ان لوگوں کے صدق و کذب پر نگاہ رکھتے اور انھیں اکاذیب بیان کرنے سے روکتے تو خرابی اس حد تک نہ پہنچتی، یہ لوگ اس قدر جری اور بے باک نہ ہو سکتے، اس طرح کے واضح جھوٹ نہ پھیلا سکتے۔ مذہبِ حقّہ امامیہ اس قدر تضحیک و استہزاء کا ہدف نہ بنتا، مجالس اتنی بے رونق اور بے برکت نہ ہوتیں۔

بہرحال اپنے موضوع پر کتاب نہایت عمدہ ہے۔ تعجّب ہے کہ اس کتاب کو وہ مقبولیت کیوں حاصل نہیں ہوئی، جس کی یہ مستحق ہے۔ اس کتاب میں حاجی نوریؒ نے مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کی دو شرطیں بیان کی ہیں: اخلاص اور صدق۔ دونوں پر خوب بحث کی ہے۔ خصوصاً صدق و راستی اور جھوٹ کے اقسام پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اخبار اور احادیث پر کس قدر عبور ہے۔ میں نے اس موضوع پر اس قدر مفصّل بحث اب تک کہیں اور نہیں دیکھی۔

اخلاص پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے اُجرت اور مُعاوضہ لے کر

www.kitabmart.in

روضہ خوانی پر گفتگو کی ہے۔ اِخلاص سے مراد یہ ہے کہ کوئی عمل محض خدا کی رضا کے لیے کیا جائے، دُوسری کوئی غرض شامل نہ ہو۔

غیر از خدا کے لیے عمل کی بھی کئی قسمیں ہیں: ایک تو یہی کہ روپیہ کمانا مقصود ہو۔ اور بھی چند اقسام ایسی ہیں جن کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں، میری نظر میں ان کی اہمیت اُجرت اور معاوضہ لینے سے بھی زیادہ ہے اور یہ اَور بھی زیادہ خطرناک ہیں۔

ان اقسام میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شخص خطابت کی کُرسی یا حُسینؑ بن علیؑ کے منبر پر بیٹھ کر دین کی تبلیغ کی بجائے کسی شخصیت کی دلّالی شروع کر دے اور منبر کو شخصیتوں کی دلّالی کا ذریعہ بنا لے۔ بدقسمتی سے اس قسم کی چیز ہمارے معاشرے میں موجود ہے اور منبروں کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس شخصیت کی دلّالی کی جا رہی ہے وہ کوئی سیاسی شخصیت ہے یا رُوحانی یا کوئی اور ــــ دلّال بانی مجلس ہے، پیش نماز ہے یا پیش نماز سے اُونچے درجے کا کوئی شخص۔ ایسی حرکتیں منبر کی حیثیت اور مرتبے سے فروتر اور اس کے خلاف ہیں۔ ویسے ظاہر ہے کہ جو شخص کوئی کام کرتا ہے وہ اس کی کوئی توجیہ اور تاویل تو گھڑ لیتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جن چیزوں نے منبر خطابت کو بے وقعت اور خراب کیا ہے ان میں سے ایک یہی دلّالی ہے۔ اس کی وجہ سے منبر دلّالی کی کرسی بن گیا ہے جسے اِس آلودگی سے پاک کرنا ضروری ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ اگر وَتَوْقِيفِهِمْ عَلَىٰ مَا أَرَادَ مِنْ مَصْلَحَةِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ کے مِصداق دینی اور دُنیاوی مَصالح کا بیان مقصود ہو تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مصلحت گوئی اور بات ہے اور دلچسپ باتیں کرنا

www.kitabmart.in

اور چیز۔ مصلحت گوئی کے یہ معنیٰ نہیں کہ ہم وہ کچھ کہیں جو لوگوں کو پسند آتے اور وہ ہماری واہ واہ کریں۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ لوگ اپنے زمانے کے پیغمبروں کے مخالف کیوں تھے؟ جو پیغمبر بھی آیا اس کی اتنے زیادہ لوگوں نے مخالفت کیوں کی؟ خود پیغمبروں کے زمانے میں ان کے معتقدین کی تعداد کم کیوں رہی؟

اس کا ایک خاص سبب یہ ہے کہ انبیاء لوگوں کی کمزوریوں اور خرابیوں کے خلاف جدّوجہد کرتے تھے اور ہم لوگوں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کمزوریوں اور برائیوں کی اصلاح کریں، ہم چاہتے ہیں کہ ان بُرائیوں اور کمزوریوں سے ناجائز فائدہ اُٹھائیں ہم ان کے نفع کی بات نہیں کرتے بلکہ بانیٔ مجلس اور سامعین کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کی مصلحت کے مطابق بات نہیں کرتے بلکہ ان کے رجحان کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فلاں قصہ محض جھوٹ ہے اور علاوہ ازیں لوگوں کو گمراہ کرے گا مگر سامعین کو لبھانے کے لیے اس کو بیان کر دیتے ہیں۔

مثلاً باوجود اس کے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ حکایت مَن گھڑت ہے اور افسانہ طرازوں کے تخیّل کی ایجاد ہے، پھر بھی نقل کرتے رہتے ہیں کہ:

"ایک عیسائی جو بہت گنہگار تھا اور جس میں پنج عیبِ شرعی موجود تھے، کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ زائرینِ کربلا کے ساتھ ہولیا۔ جب سب شہر کے دروازے پر پہنچے تو اور لوگ تو سواریوں سے اُتر کر زیارت کے لیے روانہ ہوگئے البتہ عیسائی چونکہ غیر مُسلم تھا دروازہ کے باہر ہی ٹھہر گیا اور سامان پر پڑ کر سو گیا۔ زائرین کے قافلے آتے جاتے رہے اور قافلوں کا غبار اُڑ اُڑ کر

www.kitabmart.in

امام رضاؑ نے فرمایا:

وَيُخْبِرُهُمْ بِمَا وَرَدَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْآفَاقِ
مِنَ الْاَحْوَالِ الَّتِيْ فِيْهَا الْمَضَرَّةُ وَالْمَنْفَعَةُ.

دُور دراز کے علاقوں کے وہ حالات جو عوام کو معلوم نہ ہوں ان کو بتلائے جائیں۔

امام رضاؑ نے یہ بات نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امپریلسٹوں، کمیونسٹوں اور یہودیوں کی سرگرمیاں کیا ہیں اور ان سرگرمیوں کا بیان کرنا واجب ہے۔

منبرِ حسینؑ سے اگر یہ سب باتیں بیان کی جائیں تو اسے واقعی محافظِ اسلام کہا جاسکتا ہے۔ یہی عزاداریٔ حسینؑ کا فلسفہ ہے۔ ورنہ امامِ عالی مقامؑ کو ہمارے رونے سے کیا فائدہ؟ انھیں ہمارے اور آپ کے رونے کی کیا ضرورت؟

امام حسینؑ تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کا نام اور ان کا نظریہ زندہ رہے۔ ان کے نظریہ کے تحت ہم باطل سے نبرد آزما ہوں، کمیونزم کے خلاف جنگ کریں، سامراجی اور صہیونی سازشوں کا قلع قمع کریں اور بے انصافی بدعنوانی، قمار بازی اور مُنکرات کے خلاف جہاد کریں۔

اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتَ
الزَّكٰوةَ وَ اَمَرْتَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَيْتَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَجَاهَدْتَّ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ.

کاش! ایک بار پھر حسینؑ کا ذکر، ان کا نام اور ان کی یاد ہمیں جُنبش میں لائے!

www.kitabmart.in

يَا لَيْتَنَا كُنَّا مَعَكُمْ فَنَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا

"اے کاش کہ ہم بھی آپکے ہمرکاب ہوتے اور آپ کے ساتھ شہادتِ عُظمیٰ پر فائز ہوتے!"

ایک ایسے سانحہ میں شرکت کی آرزو کہ جس کو اب چودہ سو سال گزر چکے ہیں، بظاہر اس کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔

یہ سب باتیں اس لیے ہیں کہ ہم مُستَعِد اور مُتعَہّد رہیں — اور سیّدُالشہداءؑ کو ایک نظریے کی صُورت میں زندہ رکھیں۔

شہیدِ کربلاؑ نہیں رہے مگر ان کا مکتب زندہ ہے اور ہمیں حُسینی پرچم تلے ہی جدّوجہد کرنی ہے اور راہِ حق میں قدم آگے بڑھانا ہے۔

گزشتہ رات بھی کیا رات تھی۔ اس میں حُسینؑ بن علیؑ اور آپ کے جاں نثار اَصحاب پر کیا گزری؟ ان کے لیے یہ رات مسرّت و شادمانی کی شبِ درخشاں تھی ؎

شبِ مردانِ خُدا رُوزِ جہاں افروز است
روشناں را بحقیقت شبِ ظلمانی نیست

(مردانِ خدا کی رات بھی دن کی طرح درخشندہ و تابندہ ہوتی ہے۔ درحقیقت روشن دِلوں کی رات کبھی اندھیری نہیں ہوتی)

گزشتہ رات، جیسا کہ میں نے عرض کیا، امام حُسینؑ نے خُود فرمایا تھا کہ آج رات کی مُہلت لے لو تاکہ میں یہ رات دُعا اور مُناجات میں گزار سکوں۔ راوی کہتا ہے کہ

"اس رات عُبیداللہ بن زیاد کے لشکر کا ایک دستہ جو

www.kitabmart.in

تیس افراد پر مشتمل تھا امام حسینؑ کے خیمے کے قریب سے گزرا تو انھیں کچھ آوازوں کی گونج سنائی دی۔ لشکری نزدیک آئے کہ دیکھیں کیا بات ہے۔ دیکھا تو دعا و استغفار کی آواز بلند تھی۔

لَهُمْ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ.

خیام حسینی سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز آرہی تھی۔ کوئی رکوع میں تھا اور کہہ رہا تھا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ کوئی سجدے میں تھا اور کہہ رہا تھا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ وَبِحَمْدِهِ کوئی قرآن پڑھ رہا تھا، کوئی اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ رہا تھا اور کوئی سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ لشکری یہ ماجرا دیکھ کر ایسے مسحور ہوئے کہ کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوگئی، اب ہم ان کا ساتھ دیں گے۔"

مجھے معلوم نہیں اس رات اصحاب حسینؑ کچھ دیر سوئے بھی یا بالکل ہی نہیں سوئے، صبح تک عبادت ہی میں مشغول رہے، اپنے ہتھیار صیقل کیے، خیموں کی ترتیب بدلی اور ہر لحاظ سے لڑائی کی تیاری مکمل کرلی۔

صبح ہوئی تو امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ فجر کی نماز باجماعت پڑھی اور اس کے بعد ایک مختصر سا خطبہ دیا:

فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ لِاَصْحَابِهِ
اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اَذِنَ فِي قَتْلِي وَقَتْلِكُمُ الْيَوْمَ.

www.kitabmart.in

يَا لَيْتَنَا كُنَّا مَعَكُمْ فَنَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا

"اے کاش کہ ہم بھی آپکے ہمرکاب ہوتے اور آپ کے ساتھ شہادتِ عُظمیٰ پر فائز ہوتے!"

ایک ایسے سانحہ میں شرکت کی آرزو کہ جس کو اب چودہ سو سال گزر چکے ہیں، بظاہر اس کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔

یہ سب باتیں اس لیے ہیں کہ ہم مُستعِد اور مُتعہّد رہیں — اور سیّدُالشہداءؑ کو ایک نظریے کی صُورت میں زندہ رکھیں۔

شہیدِ کربلاؑ نہیں رہے مگر ان کا مکتب زندہ ہے اور ہمیں حُسینی پرچم تلے ہی جدّوجہد کرنی ہے اور راہِ حق میں قدم آگے بڑھانا ہے۔

گزشتہ رات بھی کیا رات تھی۔ اس میں حُسینؑ بن علیؑ اور آپ کے جاں نثار اَصحاب پر کیا گزری؟ ان کے لیے یہ رات مسرّت و شادمانی کی شبِ درخشاں تھی ؎

شبِ مردانِ خُدا رُوزِ جہاں افروز است
روشناں را بحقیقت شبِ ظلمانی نیست

(مردانِ خدا کی رات بھی دن کی طرح درخشندہ و تابندہ ہوتی ہے۔ درحقیقت روشن دِلوں کی رات کبھی اندھیری نہیں ہوتی)

گزشتہ رات، جیسا کہ میں نے عرض کیا، امام حُسینؑ نے خُود فرمایا تھا کہ آج رات کی مُہلت لے لو تاکہ میں یہ رات دُعا اور مُناجات میں گزار سکوں۔ راوی کہتا ہے کہ

"اس رات عُبیداللہ بن زِیاد کے لشکر کا ایک دستہ جو

www.kitabmart.in

تیس افراد پر مشتمل تھا امام حسینؑ کے خیمے کے قریب سے گزرا تو انھیں کچھ آوازوں کی گونج سنائی دی۔ لشکری نزدیک آئے کہ دیکھیں کیا بات ہے۔ دیکھا تو دعا و استغفار کی آواز بلند تھی۔

لَهُمْ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ۔

خیام حسینی سے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز آرہی تھی۔ کوئی رکوع میں تھا اور کہہ رہا تھا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهٖ کوئی سجدے میں تھا اور کہہ رہا تھا سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ کوئی قرآن پڑھ رہا تھا، کوئی اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ رہا تھا اور کوئی سُبْحَانَ اللّٰه۔ لشکری یہ ماجرا دیکھ کر ایسے مسحور ہوئے کہ کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوگئی، اب ہم ان کا ساتھ دیں گے۔"

مجھے معلوم نہیں اس رات اصحابِ حسینؑ کچھ دیر سوئے بھی یا بالکل ہی نہیں سوئے، صبح تک عبادت ہی میں مشغول رہے، اپنے ہتھیار صیقل کیے، خیموں کی ترتیب بدلی اور ہر لحاظ سے لڑائی کی تیاری مکمل کرلی۔

صبح ہوئی تو امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ فجر کی نماز باجماعت پڑھی اور اس کے بعد ایک مختصر سا خطبہ دیا:

فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ لِاَصْحَابِهٖ
اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اَذِنَ فِيْ قَتْلِيْ وَقَتْلِكُمُ الْيَوْمَ۔

www.kitabmart.in

"اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج اللہ جل شانہٗ نے مجھے اور تمھیں اس بات کی اجازت دیدی ہے کہ ہم قتل ہو جائیں۔ اب ہمارا کام شہادت حاصل کرنا ہے۔"

ایک دُعا بھی منقول ہے جو آپ نے عاشورے کے دن مانگی۔ آپ نے اپنے اللہ سے کہا:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ فِیْ کُلِّ کَرْبٍ وَّرَجَآئِیْ فِیْ کُلِّ شِدَّۃٍ وَّاَنْتَ لِیْ فِیْ کُلِّ اَمْرٍ نَزَلَ بِیْ ثِقَۃٌ وَّ عُدَّۃٌ کَمْ مِّنْ ھَمٍّ یَضْعُفُ فِیْہِ الْفُؤَادُ وَتَقِلُّ فِیْہِ الْحِیْلَۃُ وَیَخْذُلُ فِیْہِ الصَّدِیْقُ وَیَشْمَتُ فِیْہِ الْعَدُوُّ اَنْزَلْتُہٗ بِکَ وَشَکَوْتُہٗ اِلَیْکَ رَغْبَۃً مِّنِّیْ اِلَیْکَ عَمَّنْ سِوَاکَ فَفَرَّجْتَہٗ عَنِّیْ وَ کَفَیْتَنِیْہِ فَاَنْتَ وَلِیُّ کُلِّ نِعْمَۃٍ وَّصَاحِبُ کُلِّ حَسَنَۃٍ وَّمُنْتَھٰی کُلِّ رَغْبَۃٍ۔

"بارِ الٰہا! ہر تکلیف میں مجھے تجھ ہی پر بھروسہ ہے اور ہر مُصیبت میں تجھ ہی سے میری اُمّید وابستہ ہے، ہر مُعاملے میں جو مجھے پیش آتا ہے تو ہی میرا سہارا ہے خُدایا! کیسی کیسی پریشانیاں مجھے زندگی میں پیش آئیں جن کو میں نے تیرے حوالے کر دیا تو تُو نے ان پریشانیوں کو دُور کر دیا اور میری مدد کی۔ تو ہی ہر نعمت کا عطا کرنے والا اور ہر بھلائی کا مالک ہے، تو ہی ہر تمنّا کا مُنتہٰی ہے۔"

www.kitabmart.in

دُشمن کا ایک سپاہی شب خُون مارنے کی نیّت سے خیموں کی پُشت کی طرف سے آیا، دیکھا تو راستا بند تھا، راہ نہ پائی تو گالیاں بکنے لگا۔ اصحاب میں سے ایک شخص نے اس کا کام تمام کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ عرض کیا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں یہ فاسِق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "میں اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا کرنا نہیں چاہتا"۔

چُونکہ آپ پوری طرح اِتمامِ حُجّت کرنا چاہتے تھے اِس لیے آپ نے عاشُورے کے دن پھر لوگوں سے گفتگو کی، کئی خُطبے دیے مگر سنگدل دشمن پر ان خطبوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

عُمر سَعد نے کچھ اَور ہی حرکت کی۔ جب دونوں طرف کی صفیں ایک دُوسرے کے مُقابل ہوئیں، اس نے سب سے پہلے ایک تیر چلّے پر چڑھایا اور امام حُسین علیہ السلام کے اَصحاب کی طرف چھوڑ دیا، ساتھ ہی پُکار کر کہا کہ "صاحبو! امیر عُبید اللہ کے سامنے گواہی دینا کہ جس نے حُسینؑ پر پہلا تیر چلایا تھا وہ میں تھا۔ عُمر سَعد کے تیر چلانے کے بعد تیروں کی ژالہ باری شروع ہوگئی۔ حُسینی سپاہ میں سے کئی اَصحاب گر پڑے۔

اب امام حُسینؑ کی رُخصتِ آخر کے بارے میں چند جُملے بھی سُنیے!

جب حُسینؑ تنہا رہ گئے اور آپ کے سب اَصحاب اور جوان شہید ہوگئے تو سب اَصحاب کے لاشہ ہائے مبارک امامؑ کی نظروں کے سامنے تھے۔ آپ نے حَبیب بن مُظاہر، مُسلم بن عَوسَجہ، علی اکبر اور قاسِم کے لاشوں کو گرمِ زمین پر گرتے ہُوئے دیکھا۔ آپ نے طِفلِ شیر خوار اور ابُوالفضل العباس

www.kitabmart.in

کے لاشوں کو دیکھا۔ صبح سے آپ خود بہت سخت مصروف تھے۔ ایک کوشش آپ کی یہ تھی کہ اپنے اصحاب اور جوانوں کے لاشے ایک ایک کر کے میدان سے اُٹھائیں اور ایک مخصوص خیمے میں برابر برابر لٹا دیں۔ اس خیمے میں شہید کے برابر شہید تھا مگر دو صاحبان اِس قاعدے سے مستثنیٰ تھے، ایک تو آپ کے شیر خوار فرزند علی اصغرؑ اور دوسرے آپ کے سعادت مند بھائی ابُوالفضل العبّاسؑ۔

علی اصغر کو تو شہادت کے بعد آپ نے خیموں کے کنارے دفن کر دیا تھا کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بعد میں اِن مقدس اَجسام کو پامال کیا جائے گا اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ علی اصغر کا نازک جسم گھوڑوں کے سُموں تلے روندا جائے۔

ابُوالفضل العبّاسؑ کا لاشہ کیوں ایک طرف چھوڑ دیا گیا؟ جب اس کی وجہ سیّد بحرُالعلوم سے دریافت کی جاتی تھی تو آپ رونے لگتے تھے اور پھر کہتے تھے کہ اِن بزرگ کا لاشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا، اِس لیے حضرت حسینؑ اسے اُٹھا کر خیمہ میں نہ لا سکے۔

یہ تھے وہ مناظر جو اُس روز امام حسینؑ کی نظروں کے سامنے تھے۔

جب آپ کے ۷۲ اَصحاب اور جوان شہید ہو چکے تو آپ سلامِ آخر کے لیے خیموں کے قریب آ کر پکارے:

اے سکینہ! اے فاطمہ! اے زینب! اے اُم کلثوم تمھیں میرا سلام پہنچے۔ اے میری بیٹیو! اے میری بہنو! میں

www.kitabmart.in

تم سب کو خدا حافظ کہتا ہوں۔ آپ کی بیٹی نے عرض کیا:

یَا اَبَہ! اَسْتَسْلَمْتَ لِلْمَوْتِ؟

ابا جان! کیا آپ نے موت کے سامنے سپر ڈال دی؟

آپ نے فرمایا: بیٹیا جو شخص بے یار و مددگار ہوگا وہ موت کے سامنے سپر انداز نہیں ہوگا تو کیا کرے گا؟

آپ نے ایک دفعہ اور اپنے اہلِ بیت کو الوداع کہا۔ ہوا یوں کہ آپ نے فرات کے گھاٹ پر حملہ کرکے چار ہزار تیر اندازوں کو پسپا کر دیا اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے گھاٹ پر پہنچ گئے۔ آپ پانی تک پہنچے تو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے گھوڑے سے کہہ رہے ہیں: "اے رہوار! میں اُس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک تو پانی نہ پی لے"۔ گھوڑا بھی جوش میں تھا اور شاید موقع کی نزاکت کو سمجھ رہا تھا، اُس نے سر اٹھا لیا اور پانی نہ پیا۔ اتنے میں ایک شخص صدا لگائی کہ حسینؑ! یہاں آپ پانی پینا چاہتے ہیں اور وہاں لشکر آپ کی ساتھی خواتین کے خیموں پر حملہ کرنے والا ہے۔ آپ نے پانی کو تو چھوڑا اور فوراً حرم کے خیموں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ آپ نے دوسری بار اہلِ بیت کو خدا حافظ کہا۔ انھیں صبر اور حوصلہ سے کام لینے کی ہدایت کی اور حق تعالیٰ کی طرف سے ان سے وعدہ فرمایا کہ انھیں اس کا اجر ضرور ملے گا۔ آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ "اپنے کپڑے پہن لو"۔ مطلب یہ تھا کہ وہ لباس پہن لو جو اسیری کی حالت کے مناسب ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ لوگ تمھیں بندی بنالیں گے۔ پھر فرمایا:

تکالیف اور سختی برداشت کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھو، ویسے مطمئن رہو اللہ تعالیٰ تمھارا محافظ و نگہبان

www.kitabmart.in

ہے وہ تمھیں دُشمن کے شر سے نجات دے گا۔ تمھارے دشمن طرح طرح کے عذاب میں مُبتلا ہوں گے اور اس کے بِالمُقابل تمھیں طرح طرح کی نعمتیں عطا ہوں گی اور تمھارے عزّ و وقار میں اضافہ ہوگا۔ خیال رہے کہ تمھاری زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکلے جو تمھارے وَقار کے منافی ہو۔

سُبحانَ اللہ! یہ کیسا ایمان و ایقان ہے اور اطمینان کی کیا کیفیت ہے! اِس حالت میں بھی آپ کو یقین ہے کہ اللہ کی طرف سے عزّت آپ کے لیے ہے اور ذِلّت دشمن کے لیے۔ آپ خُود کو شکست خوردہ نہیں سمجھتے بلکہ آپ کو یقین ہے کہ آخر میں ہار دشمن ہی کی ہوگی۔ اِس دفعہ آپ نے آخری بار اہلبیت کو الوداع کہا اس کے بعد آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

راوی کہتا ہے:

"فَوَ اللّٰہِ مَا رَاَیْتُ مَکْسُوْرًا قَطُّ قَدْ قُتِلَ وُلْدُہٗ وَاَھْلُ بَیْتِہٖ وَاَصْحَابُہٗ اَرْبَطَ جَاشًا مِّنْہُ

میں نے کبھی کسی شکست خُوردہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے بچّے، اہل خاندان اور دوست احباب اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوگئے ہوں اور اس کے باوجود وہ اس قدر باحوصلہ ہو۔"

ایسی حالت میں آپ نے شیر کی طرح دُشمن پر حملہ کیا تو دشمن کے آدمی بھیڑوں کی طرح بھاگتے نظر آئے۔ آپ نے ایک جگہ کو اپنا مرکز قرار دے لیا

www.kitabmart.in

تھا، حملے کے بعد آپ اسی جگہ تشریف لے آتے تھے۔ یہ جگہ خیموں سے اتنی نزدیک تھی کہ وہاں سے آپ کی آواز خیموں تک پہنچ سکتی تھی۔ آپ اپنے مرکز سے زیادہ دُور نہیں جاتے تھے اور حرم کے خیموں پر مُسلسل نگاہ رکھے ہُوئے تھے۔ جب آپ اپنے مرکز میں پہنچ جاتے تھے تو بہ آوازِ بلند ایک نعرہ اِس طرح لگاتے تھے کہ اہلِ بیت سن سکیں۔ آپ کا نعرہ ہوتا تھا:

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ.

یعنی ہر حرکت اور ہر طاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اگر میں لڑتا ہوں تو خُدا کی دی ہوئی طاقت سے، اگر صَبر کرتا ہوں تو اُسی کی دی ہوئی توفیق سے۔ اور اگر شُکر کرتا ہوں تو وہ بھی خُدا ہی طرف سے ہوتا ہے۔ غرض جو کچھ ہے خُدا کی طرف سے ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ آپ کس طرح اپنی خُشک زبان کو خُشک مُنہ میں گھُماتے پھراتے ہوں گے۔ ظاہر ہے نعرۂ لَاحَوْل بھی بڑی مشکل سے لگا رہے ہوں گے۔

فَوَقَفَ لِيَسْتَرِيحَ سَاعَةً.

پھر آپ نے ذرا سا توقّف فرمایا کہ کچھ آرام کریں۔

اِتنے میں ایک شخص نے آپ کی پیشانی مُبارک پر ایک پتّھر مارا۔ پیشانی سے خُون جاری ہوگیا، آپ نے چاہا کہ اپنے کپڑے سے خُون صاف کردیں، اسی وقت ایک اور شخص نے آپ کے سینہ پر ایک زہر آلود تیر تاک کر مارا۔ آپ نے فرمایا: "بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ."

www.kitabmart.in

یادداشت

www.kitabmart.in

یادداشت

www.kitabmart.in

یادداشت

www.kitabmart.in

یادداشت

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

یا عباس

۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں ادرکنی

DVD Version

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

NOT FOR COMMERCIAL USE

www.ziaraat.com

SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com